حق

راستی موجب رضائے خداست

کس ندیدم کہ گم شد از رہ راست

محمود اور فردوسی

مُصنّفہٗ

قاضی ظہور الحسن ناظمؔ متوطن سیوہارہ ضلع بجنور

مصنف

ید و مناظر السالک و سلاسل الاصفیاء و تحفۃ السلطان و اردو کہانیاں وغیرہ وغیرہ و

مترجم عقبات الطحاوی

مطبوعہ معین دکن پریس چھتہ بازار

قیمت فی جلد علاوہ محصولڈاک دہم ر

اہل الرائے

ہنر شناس کو دکھلا ہنر کہ خوبیٔ زر۔
اگر چڑھے ہے تو صراف کی نظر چڑھ کر

نتیجۂ فکر جناب مسٹر ابن حسن صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ ایم۔ اے پروفیسر تاریخ ہند جامعہ عثمانیہ

اس دور کے متعلق انگریزی میں جو تاریخیں موجود ہیں ان سب میں فردوسی کا قصہ درج ہے۔ اکثر مصنفین نے اسے صحیح تسلیم کر نہیں تامل کیا ہے۔ اور بعض نے ایک حد تک سلطان کی حمایت بھی کی ہے۔

لین پول نے سلطان کی فیاضی اور علم پروری کی مثالیں دے کر بخل کے الزام کو رد کرنے کی کوشش کی ہے۔

الفنسٹن محمود کے اس فعل کو قابل ستایش تصور کرتا ہے کہ اسنے ہجو کی پروانہ کی اور انعام میں مزید اضافہ کیا۔

سر ولزلے ہیگ نے کیمبرج ہسٹری آف انڈیا جلد سوم مطبوعہ ۱۹۲۸ء میں اس وعدہ خلافی کو سلطان کے بخل کی بجائے درباریوں کے حسد پر محمول کیا ہے۔ لیکن ان سب باتوں سے اصل واقعہ کی تردید نہیں ہوتی۔ قاضی ظہور الحسن صاحب نے نہایت مدلل اور واضح طور پر اس بات کو ثابت کردیا ہے۔ نہ سلطان نے فردوسی سے شاہنامہ لکھنے کی فرمایش کی۔ اور نہ کسی قسم کے انعام کا وعدہ کیا۔ اور نہ فردوسی نے مایوس و متاثر ہو کر ہجو لکھی۔ سلطان محمود جیسے علم پرور اور علم دوست فرمانروا پر ایک علمی معاملہ میں بخل کا الزام۔ اور دربار کے ایک شاعر کے ساتھ وعدہ خلافی کرنا درصل اس کے کیرکٹر پر ایک بدنما داغ ہے جو اس رسالہ سے قطعی طور پر دور ہو جاتا ہے

میرے نزدیک مصنف صاحب نہ صرف تاریخ سے واقف ہیں۔ اور تحقیق کا شوق رکھتے ہیں بلکہ انہیں فارسی ادب پر بھی عبور حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اسقدر خوبی سے اس مسئلہ کو واضح کرسکے ہیں۔ ان کا یہ رسالہ تاریخی نیز ادبی حیثیت سے قابل وقعت ہے اور وہ اپنی اس کامیابی پر قابل مبارکباد ہیں۔ فقط

عالیجناب مسٹر ہارون خان صاحب شروانی سلمہ اللہ تعالیٰ ایم۔ اے آکسن بیرسٹر ایٹ لا

صدر شعبہ تاریخ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد د

میں نے مولانا ظہور الحسن صاحب ناظم سیوہاروی کی تالیف موسومہ محمود اور فردوسی کو بغور دیکھا۔ یہ رسالہ نہایت محنت اور کاوش سے لکھا گیا ہے۔ اور اسمیں فاضل مؤلف نے شاہنامہ فردوسی کی بابتہ بہت کچھ تحقیقات کرکے سلطان محمود غزنوی پر جو الزامات لگائے جاتی ہیں انکا بطلان کرنیکی کوشش کی ہے جو یقیناً باعث ستایش ہے۔ ہماری تاریخ میں بہت سی ایسی شخصیتیں نظر آئینگی۔ جنکا تدبر، علمی ذوق اور حکمت عملی کسی ملک اور کسی ملت کے لئے بھی باعث فخر ہوسکتی ہے۔ اور جسقدر جلد ہم اون کی طرف متوجہ ہوں اتنا ہی ہمارے مستقبل کیلئے اچھا ہوگا۔ حضرت ناظم نے اس ذخیرہ کو جو بہت سی کتب تاریخی میں شاہنامہ کی بابت ملتا ہے یکجا کرکے ایک علمی خدمت کی ہے جس کے باعث وہ ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں۔ فقط

عالیجناب مسٹر جمیل الرحمن صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ ایم۔ اے پروفیسر تاریخ اسلام

جامعہ عثمانیہ

مولوی قاضی ظہور الحسن صاحب کا مضمون محمود اور فردوسی میری نظر سے گذرا۔ آجکل اس قسم کی رسالوں کی جن میں شاہان اسلام کی بدنامی کو دور کرنیکی کوشش کی جائے

بہت ضرورت ہے۔ اور مولوی صاحب موصوف نے اپنے اس رسالہ میں اس ضرورت کو کما حقہ پورا کیا ہے۔ امید ہے کہ صاحب موصوف آیندہ بھی اس قسم کے رسائل سے قوم وملک کی خدمت کرتے رہیں گے۔ فقط

عالیجناب مولوی سیّد ہاشمی صاحب فرید آبادی سلمہ اللہ تعالیٰ
مصنّف تاریخ ہندوستان ورکن دارالترجمہ حیدرآباد

قاضی ظہور الحسن صاحب ناظم کا رسالہ محمود اور فردوسی میں نے دلچسپی اور غور سے مطالعہ کیا۔ جناب قاضی صاحب کی محنت اور شوق تحقیق قابل داد ہے کہ انہوں نے متعدد دلایل سے سلطان محمود انار اللہ برہانہ کی فردوسی کے ساتھ وعدہ خلافی کرنیکی قصہ کی تردید کی ہے۔ اور ثابت کیا ہے کہ سلطان کی ہجو جو فردوسی سے منسوب کیجاتی ہے۔ کسی طرح اس کی تصنیف نہیں ہوسکتی۔ یہہ اسلامی تاریخ کی ایک سچی خدمت ہے جو قاضی صاحب ممدوح نے انجام دی ہے۔ اللہ تعالیٰ اون کے شوق کو ترقی اور اون کی سعی کو مشکور فرمائے۔ فقط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

فقیر نے اپنے رسالہ باطل شکن میں وعدہ کیا تھا کہ اس کے بعد غازیان ہند و غزوات السلاطین نام دو رسالہ تالیف کر کے پیش کرونگا۔ باطل شکن کے مطالعہ پر صاحبان علم کے متواتر صدہا خطوط فقیر کو پہونچے۔ جن میں ہر دو موعودہ رسالوں کے جلد شایع کرنے کی ترغیب دی گئی تھی۔ لیکن میں اپنی پریشان حالی کی وجہ سے نہ اون حضرات کو کوئی جواب دے سکا۔ نہ رسائل موعودہ ترتیب کر کے پیش کر سکا۔ باطل شکن کو شایع ہوئے دو برس کے قریب ہو گئے اس عرصہ میں اگرچہ میں تالیف کے ذریعہ اسلامی و قومی خدمت انجام دیتا رہا۔ لیکن مصائب نے مجھ کو اس قدر مطمئن نہ ہونے دیا کہ میں اُن دو نایاب و ضروری رسائل کو مرتب کر کے اسلام کی ایک اہم خدمت اور اپنے وعدہ سے سبکدوشی حاصل کر سکوں۔ میں حضرات علماء کرام و برادران اسلام کو یقین دلاتا ہوں کہ میں اپنے اس وعدہ کو پورا کرنیکی پوری سعی کرونگا اس وقت میں اس مختصر رسالہ کو پیش کرتا ہوں جو گویا غازیان ہند کا ایک حصہ ہے۔ اسمیں ایک پرانی خطرناک غلطی کی اصلاح کی گئی ہے۔ یعنی مسلمانوں کے ایک بزرگ سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کو فردوسی کے ساتھ خلاف وعدہ کرنے کا الزام لگا کر بدنام کیا جاتا ہے۔ واقعہ پسند اصحاب اس بے اصل کہانی کو طرح طرح کے لباس پہنا کر کبھی کتاب کبھی ٹریکٹ کبھی اخباری مضامین کی صورت میں شایع کر کے مسلمانوں کے دل دکھاتے ہیں۔ اس رسالہ کے ملاحظہ سے انشاء اللہ تعالیٰ ناظرین کو معلوم ہو جائیگا کہ اس بے اصل کہانی کا تار تار الگ کر دیا گیا۔ اور مکائد و تلبیسات کا تار و پود اکھاڑ دیا گیا ہے۔ اب کوئی صاحب عقل اہل علم طالب حق اس الزام کا نام نہ لیگا۔ خدا تعالےٰ جزائے خیر عطا فرمائے میرے محترم دوست عالیجناب امیر باذل مولانا الحاج فیض الدین صاحب سلمہ اللہ تعالےٰ وکیل حیدر آباد کو جن کے سایہ عاطفت میں بیٹھ کر فقیر نے اِس علمی تاریخ اسلامی خدمت کو انجام دیا ہے۔ میں عزیزی مولانا

الحاج عبد البصیر صاحب سلمہ اللہ تعالےٰ کا مشکور ہوں کہ انہوں نے مثل باطل شکن وغیرہ میری دیگر تصانیف کے اس رسالہ کے مکمل کرنے میں بھی میری مدد کی ہے ورنہ (صلاح کار کجا و من خراب کجا) اہل نظر کی خدمت میں التماس ہے کہ اگر اس رسالہ میں احقر سے کوئی غلطی یا فروگذاشت ہوئی ہو تو مطلع فرماویں۔ تاکہ سکنڈ اڈیشن میں اصلاح کی جاسکے۔

حرفے زداد و دانش و دین است اینکہ ما
بہر صلاح خاطر دانا نوشتہ ایم

خادم ملت
ناظم
ڈسمبر ۱۹۲۹ء حیدرآباد دکن

التماس

زمانۂ قدیم کے بادشاہوں امیروں بزرگوں باکمالوں درویشوں عالموں کے متعلق طرح طرح کے قصے اور روایتیں مشہور ہیں جنہیں اکثر دُور از قیاس اور غلط ہیں۔ ہیرو ڈوٹس کی تاریخ میں ہزاروں واقعات فرضی و وہمی ہیں جس کا اہل یورپ کو اعتراف ہے۔ ایسے ہی صنا دید ایران کے متعلق شاہنامہ میں ضحاک۔ دیو سفید۔ جام کیخسرو۔ زال و سیمرغ ہفتخوان رستم وغیرہ وغیرہ واقعات جنکے متعلق فاضل البیرونی نے لکھا ہے یہ ایسی باتیں ہیں۔ جن کو سننے سے دل اچٹتا ہے۔ اور کان ان کو برداشت نہیں کرسکتے۔ عقل قبول نہیں کرتی (آثار الباقیہ) ہندوستان کی قدیم تاریخی روایات کا دُور از عقل و قیاس مبالغہ سب سے بڑھا ہوا ہے لیکن اس قسم کی روایات کو تفریح طبع یا قصہ گوئی کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ تاریخی حیثیت سے ان کو کوئی درجہ حاصل نہ تھا۔ نہ مذہبی و قومی مسائل میں ان سے استناد کیا جاتا تھا۔ اسی وجہ سے کسی مصنف نے ایسی روایتوں کی تنقید کیطرف خاص توجہ نہیں کی۔ اس عدم توجہی کا یہ نتیجہ ہوا کہ اُن میں سے بعض بعض تاریخی روایات قرار پاگئیں۔ اس زمانہ میں کہ روشنی و ترقی کا عہد مشہور ہے یہ اندھیر ہو رہا ہے کہ لغو روایات کو مذہب و قومی اخلاق و معاشرت کی حسن و قبح کا معیار بنایا جاتا ہے۔ واقعہ پسند طبایع ان کو مشہور کرکے عوام و جہال میں ناموران قدیم سے بدظنی پھیلاتے ہیں۔ اس قسم کی روایات میں سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ اور فردوسی کی روایت ہے جس کو زمانۂ قریب کے ان مؤرخون نے جنکا قلم سیاست کے زیر حراست چلتا ہے خوب آب و رنگ دیا ہے۔ اور باطل دوست مصنفین اس قصہ کو بار بار کبھی ٹریکٹ کی صورت میں شایع کرتے ہیں کبھی اخبارات میں مضامین نکالتے ہیں۔ اس طرح زمانۂ وسطی کے فاتح اعظم عادل و نیک دل مخیر سلطان کو بدنام کرکے مسلمانوں کی دل آزاری کرتے ہیں۔ اگر راجہ مچھندر کے متعلق کوئی بات کہی جائے تو ہندو آپے سے باہر ہو جائیں۔ اگر شاہ الفرڈ کو کچھ کہا جائے تو انگریز نیلی پیلی آنکھیں نکالنے لگیں۔ لیکن ہندو اور انگریز

مصنفین اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ ہم ایک مسلمان مقدس فاتح پر ناواجب الزام لگاکر اسکو دلخراش الفاظ وعبارت میں ظاہر کرتے ہیں تو مسلمانوں کے قلوب کی کیا کیفیت ہوگی اس زمانہ میں مسلمان مورخین نے بھی تاریخیں لکھی ہیں۔ جن میں سے اکثر نے پیش آمدہ واقعات پر نظر نہ کر کے محض کورانہ تقلید میں اس روایت کو نقل کردیا ہے۔ بعض نے اس حکایت کو لغو سمجھ کر لکھا ہی نہیں بعض نے صرف اس قدر لکھنے پر اکتفا کیا ہے کہ یہ روایت غلط ہے۔ لیکن معاندین کے پیدا کردہ مفاسد کے دفعیہ کے لئے صرف انکار کافی نہیں ہوسکتا۔ ضرورت تھی کہ اس حکایت کی تنقیح و تنقید پر کافی توجہ کی جاتی۔ معاندین کی ہرزہ سرائی نے اس حقیر فقیر کو اس فرضی کہانی کی تحقیق پر متوجہ کیا۔ فقیر نے اپنے علم و دسترس کے موافق تحقیقات کر کے بعض اکابر علما کی خدمت میں پیش کی۔ اُن حضرات کے اظہار پسندیدگی فرمانے سے یہ جرأت ہوئی کہ اپنی تحقیقات کو بصورت کتاب مرتب کردیا جائے۔ مجھے یقین ہے کہ ضد اور تعصب کو چھوڑ کر جو طالب حق ان اوراق کا مطالعہ کریگا۔ اس کو اس روایت کے باطل ہونے میں ذرا بھی شبہ نہ رہیگا۔ پہلے میں اُس روایت کو مسٹر ہنٹر کی تاریخ سے نقل کرتا ہوں۔

وھو ہٰذا

چونکہ محمود علم دوست اور شاعروں کا حامی تھا۔ لہٰذا اُس کی سخاوت و قدردانی کی شہرت سن کر فردوسی بھی اس کے دربار میں آیا۔ سلطان نے اُس کا شاہنامہ نہایت شوق سے سنا۔ اور اُس سے بروقت اختتام فی شعر ایک درم طلائی دینے کا وعدہ کیا۔ تیس برس کی محنت اور جانفشانی کے بعد شاعر آیا اور اپنے انعام کا طالب ہوا۔ مگر جب سلطان نے دیکھا کہ شاہنامہ میں ساٹھ ہزار سے کم اشعار نہیں ہیں۔ تب اس کو بجائے طلائی کے ساٹھ ہزار درہم نقرہ ہی دینے کا حکم دیا۔ اس پر فردوسی کمال ناخوش ہوکر چلا گیا۔ اور نہایت سخت اور طنز آمیز ہجو لکھی۔ جس سے بادشاہ کے حسب و نسب کا داغ صفحۂ روزگار پر ہنوز قایم ہے۔ بہرحال محمود نے رزمیہ نظم کی عمدگی کے لحاظ سے ہجو کی گستاخی معاف کی اور اپنی دنایت پر نادم ہوکر ایک لاکھ درہم طلائی فردوسی کو روانہ کئے۔ مگر یہ بخشش خسروانہ دیر میں پہنچی۔ جس وقت شاہی قاصد زر کی تھیلیاں لئے شہر کے ایک دروازے سے داخل ہوئے۔ دوسرے دروازے سے شاعر کا جنازہ لوگ باہر لئے جاتے تھے۔ (تاریخ ہند)

(حصۂ دوم)

اس روایت میں تو یہ بیان کیا گیا ہے شاہنامہ فردوسی پہلے سے لکھ رہا تھا۔ سلطان نے سن کر پسند فرمایا۔ دوسرے مؤرخ لکھتے ہیں کہ سلطان کو شاہنامہ لکھانے کا خیال تھا۔ فردوسی آیا۔ اس کی سپردیہ خدمت کی گئی۔ اس روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ سلطان نے بوجہ بخل کے انعام موعود نہ دیا۔ بعض مورخ لکھتے ہیں کہ انعام نہ دینے کی وجہ سلطان کا مذہبی تعصب تھا۔ کیونکہ فردوسی شیعہ تھا۔ ایک ہی اختلاف نہیں اس قصہ کی ہر ہر بات کے متعلق ایسے کثیر و شدید اختلافات ہیں کہ جن کا عبور کرنا ناممکن ہے اور عجب نہیں کہ اس کثرت اختلافات سے گھبرا کر اس گتھی کو سلجھتا نہ دیکھ کر کوئی سادہ دل جھنجلا کر کہہ اٹھے کہ یہ سب غلط ہے۔ نہ دنیا میں فردوسی کوئی شاعر ہوا نہ محمود کوئی بادشاہ ہوا۔ نہ شاہنامہ کوئی کتاب ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ سلطان کے عہد میں مذہب قرامطہ کا زور تھا۔ اور یہ فرقہ سلاطین اسلام کا جانی دشمن تھا۔ سلطان نے ان کے استیصال میں پوری سعی کی۔ سلطان کے بعد قرامطہ نے اس کو بدنام کرنے کے لئے بعض واقعات مشہور کئے۔ ان میں سے ایک یہ حکایت بھی ہے۔ فرقہ اسماعیلیہ کے (قرامطہ کی ایک شاخ) لوگوں نے وقتاً فوقتاً اس روایت کی تقویت کے لئے حسب ضرورت و موقع روایت سازی و تحریف کا سلسلہ جاری رکھا جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ سب مل کر ایک گورکھ دھندا ہو گیا۔ اب اصل حقیقت کا کھلنا دشوار ہے چنانچہ ہجو مشہور کا یہ شعر اس بھید کو کھولتا ہے کہ اس کا مصنف اسماعیلی ہے جو اپنے خاص عقیدہ کو بھی بیان کر گیا

گواہی دہم کایں سخن راز اوست ۔ تو گوئی دو گوشم پر آواز اوست

یہ راز ہی خاص مذہب و عقیدہ اسماعیلیہ کا ہے۔ اسماعیلیوں نے یہ بھی مشہور کیا کہ سلطان کو شیعوں سے خاص تعصب تھا۔ اسی شہرت کے باعث شیعہ سلطان کو اچھا نہیں سمجھتے۔ اور اس کی تنقیص کرتے ہیں۔ تعجب ہوتا ہے ان عقلوں پر جو یہ دیکھتے ہوئے کہ عدالتیں شبہ کا فائدہ ملزم کو دیتی ہیں۔ ذرا سے شبہ پر خونی ملزم رہا کر دیا جاتا ہے۔ ایک ایسے واقعہ کو جو سر تا پا شکوک و شبہات مویہ سے لبریز ہے ایک مقتدر ہستی کے سر تھوپتے ہیں۔ اور اس کو ایک قوم اور ایک مذہب کے اخلاق کا معیار قرار دیتے ہیں۔ اب میں اس تحقیقات کو قلمبند کرتا ہوں۔ جو اس واقعہ اور فردوسی اور شاہنامہ کے متعلق کتب

کثیرہ سے مجھ کو حاصل ہوئی ہے۔

شاہنامہ کی تحریف

زمانہ قدیم میں مطابع اور پریس نہ تھے۔ صرف قلمی تحریر کا رواج تھا۔ فردوسی کے بعد غزنی اور طوس وغیرہ ممالک میں ایسے ایسے شدید انقلابات ہوئے جو اپنی آپ ہی نظیر ہیں۔ شہر لوٹے گئے، جلائے گئے۔ پس یہ خیال کرنا کہ شاہنامہ کی ایسی حفاظت ہوئی کہ وہ ان آفات سے محفوظ رہا۔ ایک لغو خیال ہے یہی وجہ تھی کہ اس کی نایابی و انتشار پر نظر کر کے شاہ عالم ثانی نے شاہنامہ جمع کرانیکا قصد کیا۔ مگر ملکی شورش نے اوس کے اس ارادے کو پورا نہ ہونے دیا۔ اور نصیر الدین حیدر بادشاہ لکھنؤ نے اس کو فراہم کرا کے ترتیب دلایا۔ چنانچہ جن نسخوں سے یہ نسخہ ترتیب دیا گیا ہے اونکی کیفیت حسب ذیل ہے۔

ایک نسخہ مولانا عبد الرحیم بن مولانا عبد اللہ القریشی کا ایرانی خط میں سنہ ۱۰۶۱ کا لکھا ہوا تھا۔ اس میں (۵۱۲۴۳) اشعار تھے۔

دوسرا نسخہ محمد حافظ کا ایرانی خط میں سنہ ۱۰۰۸ کا لکھا ہوا تھا۔ اس میں (۴۷۵۲۰) اشعار تھے۔

تیسرا نسخہ بخط نسخ سنہ ۸۰۸ھ کا مرقومہ تھا۔ اس میں (۵۰۵۰۰) اشعار تھے۔

چوتھا نسخہ خط نستعلیق نسخ نما میں سنہ ۸۸۰ھ کا ایران کا لکھا ہوا تھا۔ اس میں (۵۶۶۵۰) اشعار تھے۔ یہ چاروں نسخے آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی نے شاہ نصیر الدین حیدر کو بھیجے تھے۔

پانچواں نسخہ جس پر شہنشاہ اورنگ زیب کی مہر تھی مرتبہ سید التفات حسین خان مرقومہ حاجی علی شیرازی المخاطب کاتب مسجل سنہ ۸۹۹ھ کا تھا۔ اس میں (۵۲۱۳۴) اشعار تھے۔

چھٹا نسخہ مسٹر ایلس نے بھیجا تھا۔ جو ایرانی خط میں عبد الصمد بن علی محمد الحسینی ایرانی کا سنہ ۱۰۱۲ کا لکھا ہوا تھا اس میں (۶۹۸۶۴) اشعار تھے۔

ساتواں نسخہ منتظم الدولہ نے بھیجا تھا جسمیں (۵۵۰۹۲) اشعار تھے۔

آٹھواں نسخہ یہ بھی منتظم الدولہ نے بھیجا تھا۔ اس میں (۵۵۰۰۰) اشعار

تھے۔

نوان نسخہ۔ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کا تھا۔ جو نظام الدین محمد شیرازی کا لکھا ہوا تھا۔ اس میں (۵۰۱۳۴) اشعار تھے۔

دسواں نسخہ۔ ٹڈ لیٹین صاحب نے بھیجا تھا۔ جو ابن حسن نور الدین اصفہانی کا ۱۰۱۸ھ کا لکھا ہوا تھا۔ اس میں (۵۲۹۱۱) اشعار تھے۔

گیارھواں نسخہ۔ راس صاحب نے بھیجا تھا جو عبدالکریم بن عبدالنبی جونپوری کا ۱۰۲۰ھ کا لکھا ہوا تھا۔

بارھواں نسخہ لیم صاحب نے بھیجا تھا اس میں ایک ہزار شعر گستاسپ نامہ اسدی کے اور دوسری داستانیں فردوسی کی تھیں۔ مرقومہ ۹۹۹ھ

تیرھواں نسخہ ایرانی خط میں ۹۴۹ھ کا لکھا ہوا تھا۔ اس میں (۵۴۳۰۰) اشعار تھے۔

چودھواں نسخہ محمد خان قزوینی کا لکھا ہوا تھا۔ اس میں (۴۲۰۲۰) اشعار تھے۔

پندرھواں نسخہ ایرانی خط میں ۸۰۱ھ کا لکھا ہوا تھا۔ اس میں سات ہزار اشعار صرف بغداد کی تعریف میں تھے۔ اور کل اشعار (۸۷۹۱۱) تھے۔

سولھواں نسخہ میرزا علی اصفہانی نے بھیجا تھا۔ جس میں ابتدا سے ہجیر کا گودرز کے پاس کیخسرو کا خط لے کر آنے تک کے واقعات تھے۔

سترھواں نسخہ آنریبل مسٹر ملول نے بھیجا تھا۔ اس میں سوسن رامشگر کے قصہ سے لیکر آخر تک واقعات تھے۔

ان سترہ نسخوں میں سب سے قدیم نسخہ پندرھواں ہے جو ۸۰۱ھ کا مرقومہ ہے گویا اختتامِ شاہنامہ سے (۴۱۰) برس بعد کا لکھا ہوا ہے تیسرا اور چوتھا۔ یہ نسخے ایک ہی سال کی تحریر ہیں۔ مگر ان میں چھ ہزار سے زیادہ اشعار کا فرق ہے۔ ساتوان اور آٹھوان یہ نسخے ایک ہی شخص کے ہیں۔ ان میں (۹۲) اشعار کا فرق ہے۔ ان سترہ نسخوں میں جو تعداد اشعار ہے وہ کسی روایت مشہورہ کے تعداد سے نہیں ملتی۔ یعنی کسی نسخے میں ساٹھ ہزار تعداد اشعار نہیں۔ اور اس قدر کثیر تعداد نسخوں میں کسی دو کی بھی تعداد اشعار برابر نہیں۔ اس تقابل سے صاف ظاہر ہے کہ یہ کتاب محفوظ نہیں رہی۔ اور اس میں بہت کچھ کمی و بیشی

ہوئی ہے۔
ان تمام نسخوں سے ایک نسخہ شاہنامہ کا ترتیب دیا گیا۔ جس کو منشی نولکشور نے طبع کیا۔ اور اُس ہی کی نقل آقا سمیع شیرازی ایران لے گئے۔ علامہ لطف علی خان آذر نے بہت ہی درست لکھا ہے۔

"امروز شاہنامہ کہ صحت داشتہ باشد وجود ندارد بعلت عدم ربط کتاب و نساخ چندان تغیر یافتہ کہ نمی تواں گفت کہ دریں کتاب شعرے از فردوسی باقی ماندہ باز انچہ باقی ماندہ بمقابل اشعار فصیح بلغا و افکار بلیغ فصحا در ہر باب شرخوب و سخن مرغوب دارد" (آتشکدہ آذر)۔

موجودہ شاہنامہ میں تاریخی غلطیاں ایسی ہیں جنکو فردوسی جیسا ماہر تاریخ ایران و مؤرخ قدیم نہیں کرسکتا۔ مثلاً

چو پرویز و ہرمز چو پورش قباد   چو خسرو کہ پرویز نامش نہاد

اِس شعر سے پرویز کا بیٹا ہرمز ثابت ہوتا ہے حالانکہ ہرمز کا بیٹا پرویز تھا۔
شاہنامہ میں پریچہرہ کو ایرج کی نواسی بتلایا ہے حالانکہ پری چہرہ ایرج کی بیٹی تھی۔
شاہنامہ میں دارا کے قاتل ناسار و جالوسار نامی دو وزیر بتلائے ہیں۔ حالانکہ دارا کے قاتل دو ہمدانی سپاہی تھے۔ (زینت التواریخ و تواریخ ایران سرجان ملکم)
شاعری کی غلطیاں بھی ایسی ہیں جس کو معمولی شاعر بھی نہیں کرسکتا۔ مثلاً

چو سال اندر آمد بہفتاد و یک   ہمیں زیر شعر اندر آمد فلک

شاعر کا مطلب یہ ہے کہ اے۳ھ میں تمام اشعار مکمل ہوگئے۔ کتاب (شاہنامہ) طیار ہوگئی۔ دیکھئے یہ شعر اس مطلب کو کہاں تک پورا کرتا ہے۔ اور مصرع ثانی تو بالکل مہمل ہے۔

کہ بخشد ز ہر بیت زر یک درم   ہر آنچہ آورم نظم از بیش و کم

زہر سے مطلب خبط ہوتا ہے۔ صاف نہیں کھلتا۔ شاعر کہنا چاہتا ہے کہ ہر شعر پر ایک اشرفی دینے کا وعدہ تھا۔ یہ مطلب ادا نہیں ہوا۔ زر یک درم کے معنی سونا ایکدرم اور شاعر کا مطلب ایک اشرفی ہے تو یکدرم زر کہنا چاہئے تھا۔

ز ہجرت شدہ پنج ہشتاد بار   کہ گفتم من ایں نامۂ شہریار

شاہنامہ میں ایک بادشاہ کا تذکرہ نہیں۔ ایران کے تمام بادشاہوں کا ذکر ہے اسلئے

شہر یاراں جمع لانیکی ضرورت تھی۔

اگر خلد خواہی بدیگر سرائے ۔۔۔ بنزد نبی و وصی گیر جائے

خلد وصی۔ عربی الفاظ ہیں۔ شاعر کہنا چاہتا ہے کہ اگر تجھ کو جنت کی آرزو ہے تو نبی اور وصی پہ ایمان لا۔ یا محبت رکھ۔ گیر جائے کہ معنے جگہ پکڑنا۔ اس سے وہ مفہوم ادا نہیں ہوتا۔ اور ایمان لانے یا محبت کرنے کے لئے جا گرفتن موزوں محاورہ نہیں۔ گیر جا، کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ سکونت کر یا دفن ہو۔ اگر سکونت کر مطلب سمجھا جائے تو یہ شاعر کا مطلب نہیں۔ نہ اسکا محل۔ دفن ہونا اگر سمجھائے تو ایک آدمی دو جگہ کیونکر دفن ہو۔ ان فاش غلطیوں سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کتاب تلف و منتشر ہوگئی تھی۔ بعد کو کسی نے اس کو ترتیب کیا۔ اور اپنی معلومات اور قابلیت کے موافق تلف شدہ مقامات کو مکمل کردیا (شاہنامہ تصنیف فردوسی بصنعت لزوم زبان فارسی (خیابان))۔ لیکن موجودہ شاہنامہ صنعت لزوم کی قید سے آزاد ہے۔ اس میں بہت سے الفاظ عربی کے موجود ہیں۔

زگیتی پرستندۂ فر نصر ۔۔۔ زید شاد در سایۂ شاہ عصر

اگر مہر شان من حکایت کنم ۔۔۔ چو محمود را صد حمایت کنم

بنام نبیؐ و علیؑ گفتہ ام ۔۔۔ گہر ہائے معنے بسے سفتہ ام

چہ گفت آن خداوند تنزیل وحی ۔۔۔ خداوند امر و خداوند نہی

فردوسی طوس کے قریب ایک گانوں کا رہنے والا تھا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ گانوں والو کی زبان ٹھیٹ زبان ہوتی ہے۔ اور گانوں کی زبان میں غیر زبانوں کے الفاظ کم دخل پاتے ہیں۔ جس زمانہ میں کہ فردوسی تھا اُس زمانہ میں عربی الفاظ ایران کے شہری زبان میں بھی زیادہ مروج نہ ہوئے تھے۔ پھر گانوں کا تو کیا ذکر ہے۔ موجودہ شاہنامہ میں عربی الفاظ کی خاصی تعداد موجود ہے۔ پھر اس کو کس طرح اس عہد کا اور فردوسی کا کلام قرار دیا جا سکتا ہے۔ فردوسی نے جس جگہ اہم مضامین بیان کئے ہیں وہاں عربی الفاظ کا پتہ بھی نہیں۔ آفرینش عالم کے متعلق لکھتا ہے۔ لیکن مادہ وجود عنصر وغیرہ وغیرہ الفاظ استعمال نہیں کرتا۔ اور مطلب کو نہایت سلیس خالص فارسی میں کس زور سے بیان کرتا ہے۔

از آغاز باید کہ دانی درست ۔۔۔ سرمایۂ گوہراں از نخست

کہ یزدان زناچیز چیز آفرید ۔۔۔ بداں تا توانائی آمد پدید

وزو مایۂ گوہر آمد چہار ۔۔۔ برآورد بے رنج و بے روزگار الخ

(سرمایہ بمعنی مادہ۔ توانائی بمعنے وجود۔ گوہر بمعنی عنصر۔)

باوجودیکہ سترہ نسخوں سے ایک نسخہ ترتیب دیا گیا۔ لیکن اب جو نسخے موجود ہیں اُن میں بھی اختلاف اور کمی بیشی ہے۔ کتب خانۂ آصفیہ حیدرآباد میں تین نسخے ہیں تینوں میں بہت کچھ اختلاف ہے۔ ایسی حالت میں کوئی صاحب عقل سلیم باور نہیں کرسکتا کہ موجودہ شاہنامہ بجنسہ وہی ہے جو فردوسی نے لکھا تھا۔ پھر اس کے دیباچہ میں جو روایت لکھی ہے اور جو ہجو نقل کی گئی ہے وہ کیونکر قابل یقین قرار پاسکتی ہے۔ اور ایسی منتشر الحال کتاب کی بنا پر کسی متقدر آدمی کو بدنام کرنا قرین انصاف ہوسکتا ہے۔

شاہنامہ کا دیباچہ

دیباچہ قدایم۔ حسب تحقیق علامہ محمد قزوینی اُس شاہنامہ نثر کا ہے جو ابوالمنصور بن عبدالرزاق طوسی نے ۳۴۶ھ میں ابوالمنصور المعمری سے مرتب کرایا تھا۔ دیباچہ میں یہ عبارت ہے۔

"باز آغاز کارنامہ شاہاں ازگرد آورندہ ابوالمنصور المعمری دستور ابومنصور محمد بن عبدالرزاق ایدون گوید۔"

بعد کو فردوسی کے نظم کی یکی سرگزشت الحاق کرکے شاہنامہ فردوسی کا دیباچہ قرار دیا گیا اور اس دیباچہ کو سب سے پہلے اٹھارویں صدی عیسوی میں یوروپین مستشرق ولین برگ نے شایع کیا۔

دیباچہ بایسنغرخانی۔ ۸۲۹ھ میں مرزا بایسنغر بن شاہرخ مرزا ابن امیر تیمور نے شاہنامہ پر دیباچہ لکھا ہے۔

پہلا دیباچہ تو ایک دوسری کتاب کا شاہنامہ کے سر مڑھا گیا۔ اور وہ بھی شاہنامہ کی تصنیف سے نو سو برس بعد شایع ہوا۔ دوسرا شاہنامہ کی تصنیف سے چار سو اٹھائیس برس بعد لکھا گیا۔ اور ان دیباچوں کی حفاظت کا کوئی کافی اطمینان نہیں کہ اپنے تحریر کنندہ کے زمانہ سے وقت اشاعت تک معتبر ذرایع سے محفوظ رہے۔ ان دیباچوں میں ایک

زبردست تاریخی غلطی ہے۔ شعراء دربار محمود میں عنصری وغیرہ کے ساتھ وہ رودکی کو بھی شامل کرتے ہیں۔ حالانکہ رودکی سنہ ۳۰۴ھ میں مرچکا تھا۔ پس ایسی صورت میں یہ دیباچے کیونکر قابل وثوق قرار دئے جاسکتے ہیں۔

شاہنامہ کا مصنف

شاہنامہ فردوسی کی تصنیف مشہور ہے۔ لیکن بروئے تحقیق اس کے تین مصنف ثابت ہوتے ہیں۔ ہاں اس میں زیادہ حصہ فردوسی کا ہے۔ ایک ہزار اشعار اسمیں دقیقی کے شامل ہیں۔ (تذکرہ ہفت اقلیم ومجمع الفصحا) فردوسی کو خود بھی اس کا اقرار ہے۔

زگشتاسپ وارجاسپ بیتے ہزار   بگفت وسرآمد ورا روزگار

پذیرفتم و داشتم زو سپاس   مرا در دل آمد ز ہر سو ہراس

یعنی گشتاسپ اور ارجاسپ کے بیان میں ایک ہزار اشعار اوس نے لکھے تھے کہ وہ مرگیا میں نے اون اشعار کو شکریہ کے ساتھ شامل کرلیا۔

"استاد اسدی طوسی درروزگار سلطان محمود استاد فرقہ شعراء خراسان بود" "اورا بکرات تکلیف نظم شاہنامہ کردند او پیری وضعیفی را بہانہ کردہ استعفا" "کرد و دیوان او متعارف نیست و در مجموعہائے شعرا بنظر نمی آید فردوسی را" "کہ شاگرد اوست ہمیشہ اشارت نظم شاہنامہ میکرد تا آخر چنان شد وچون" "فردوسی از غزنین گریختہ بطوس رفت واز انجا بہ رشمدار (قہستان) ولالقان" "رفتہ باز بطوس مراجعت کرد در حین قرب وفات اسدی را بخواند و گفت وقت" "رحلتست واز شاہنامہ قلیلے ماندہ وکسی را قوت نباشد کہ باقی را بنقید نظم در آرد" "اسدی گفت اے فرزند غمگین مباش اگر حیات باشد من باتمام رسانم فردوسی" "گفت اے استاد تو پیری مشکل کہ این کار از تو کفایت شود اسدی گفت" "انشاء اللہ تعالیٰ بشود ودر ہمان چند روز شروع کرد از اول استیلائے" "عرب بر عجم تا آخر کہ چہار ہزار بیت میشود بقید نظم درآورد وفردوسی ہنوز زندہ" "بود کہ بنظر شکل گزرانید واو خوشحال شدہ بہ ذہن مستقیم او استاد آفرین خواند" (تاریخ فرشتہ)

اسی طرح یہ روایت آتشکدۂ آذر میں بھی ہے۔

شاہنامہ تصنیف فردوسی بصنعت لزوم زبان فارسی تکملۂ آن حکیم اسدی استاد فردوسی کردہ بود (خیابان)

ان تینوں روایتوں سے صاف ثابت ہے کہ شاہنامہ تمام فردوسی کی تصنیف نہیں نہ اُس کی حیات میں مکمل ہوا۔ پھر اس کا دربار سلطانی میں مکمل پیش کرنا کیونکر صحیح مانا جاسکتا ہے۔

شاہنامہ کا سال آغاز

دیباچہ قدیم میں ہے کہ سلطان محمود نے فردوسی کو شاہنامہ کی تصنیف پر مامور کیا۔ ایسا ہی تاریخ فرشتہ سے ثابت ہے۔ فردوسی بھی ایک جگہ سبب تالیف یہی بیان کرتا ہے:۔

مرا نظم شہنامہ فرمود شاہ　　دراں دم کہ بنشست شاداں بگاہ
کہ بخشد زہر بیت زر یکدرم　　ہر آنچہ آورم نظم از بیش و کم

فردوسی نے سنہ ۴۱۱ھ میں وفات پائی۔ اس میں سے (۳۵) تفریق کئے جائیں (یہ وہ مدت ہے جو تصنیف شاہنامہ کی فردوسی نے بیان کی ہے) تو شاہنامہ کا آغاز سنہ ۳۷۶ھ سے ماننا پڑیگا۔ اور اگر مدت تصنیف تیس سال تسلیم کیجائے تو سنہ ۳۸۱ھ سال آغاز ہوگا اور سلطان محمود سنہ ۳۸۷ھ میں تخت نشین ہوا تو محمود کی تخت نشینی سے گیارہ سال یا چھ سال قبل شاہنامہ شروع ہوا۔ چہار مقالہ میں ہے کہ شاہنامہ سنہ ۴۰۰ھ میں مکمل ہوا تو (۴۰۰-۳۵=سنہ ۳۶۵ھ) یا (۴۰۰-۳۰=سنہ ۳۷۰ھ) تو اس حساب سے محمود کی تخت نشینی سے بائیس یا سترہ سال قبل شاہنامہ شروع ہوا۔ شاہنامہ میں ایک جگہ فردوسی نے اس کا سال اختتام سنہ ۳۷۱ھ بیان کیا اور دوسری جگہ سنہ ۳۸۴ھ اس صورت میں اگر شاہنامہ کی مدت تصنیف چھ سال حسب روایت دیباچہ قدیم قرار دیجائے تو شاہنامہ سنہ ۳۶۵ھ یا سنہ ۳۷۸ھ میں شروع ہوا اگر بیس سال قرار دیجائے تو سنہ ۳۵۱ھ یا سنہ ۳۵۴ھ میں شروع ہوا اگر ۳۵ سال قرار دیجائے تو سنہ ۳۳۶ھ یا سنہ ۳۴۹ھ میں اس کی ابتدا ہوئی۔ چہار مقالہ میں ہے کہ سلطان نے جب ہندوستان پر حملہ کیا تو راستہ میں دشمن کے ایک قلعہ کے قریب قیام کیا اور اہل قلعہ

کو پیغام بھیجا کہ اطاعت کرو۔ قاصد کو جواب لانے میں دیر ہوئی تو سلطان نے وزیر کو کہا کہ دیکھئے کیا جواب آتا ہے۔ اس پر وزیر نے یہ شعر پڑھا ؎

اگر جز بکام من آید جواب — من و گرز و میدان و افراسیاب

اس موقع پر سلطان کو یہ شعر بہت پسند آیا۔ دریافت کیا یہ کس کا شعر ہے وزیر نے کہا یہ اُس ہی بدقسمت (فردوسی) کا شعر ہے جسنے پندرہ برس تک خونِ جگر کھایا اور کچھ نہ پایا اس روایت کی بنا پر یہ حساب برآمد ہوتا ہے کہ سلطان نے ہندوستان پر ۳۹۲ھ میں حملہ کیا تو گویا ۳۹۲ھ میں شاہنامہ مکمل ہو کر پیش ہوچکا تھا۔ اس میں سے ۳۵ سال مدت تصنیف تفریق کرنے سے ۳۵۷ھ حاصل ہوتے ہیں۔ یہ سال آغاز شاہنامہ کا ہوا تو گویا سلطان کی تخت نشینی سے تیس سال قبل شاہنامہ شروع ہوا۔ سلطان نے ۳۲ سال حکومت کی۔ اور شاہنامہ ۳۵ سال میں ختم ہوا۔ اس صورت میں یا تو یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ تین سال قبل شاہنامہ شروع ہوا۔ یعنی ۳۸۴ھ میں۔ اور اگر سلطان کی فرمایش سے اسکا آغاز قرار دیا جائے تو سلطان کی وفات سے تین سال بعد ختم ہوا اور فردوسی نے اپنے مرنے سے گیارہ سال بعد شاہنامہ ختم کیا۔ ایک دوسرے حساب سے ۳۳۷ھ سے شاہنامہ کا آغاز معلوم ہوتا ہے فردوسی لکھتا ہے کہ میں نے بیس برس تک اس کو اس تلاش میں محفوظ رکھا کہ اس کو کس کے نام پر معنون کیا جائے۔ اور چہار مقالہ کے ہندوستان والی روایت سے انتہا درجہ پر ۳۹۲ھ میں شاہنامہ کا پیش ہونا قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس لئے (۳۹۲-۲۰=۳۷۲) اس میں سے ۳۵ سال مدت تصنیف تفریق کرنے سے ۳۳۷ھ حاصل ہوتے ہیں۔ بہر صورت شاہنامہ کی ابتدا محمود کی تخت نشینی سے برسوں قبل ثابت ہوتی ہے۔ اور وہ روایت کسی طرح صحیح نہیں ثابت ہوتی محمود نے شاہنامہ کی فرمایش کی۔

سال اختتام شاہنامہ

چہار مقالہ میں شاہنامہ کی تاریخ اختتام ۳۸۴ھ مروج ہے۔ فردوسی کے اقوال سے مختلف سنین میں اُس کا اختتام ثابت ہوتا ہے۔

چو سال اندر آمد بہفتاد و یک — ہمیں زیر شعر اندر آمد فلک

۳۷۱ھ

شاہنامہ کے پہلے اڈیشن موجودہ برٹش میوزیم میں اس کا سال اختتام ۳۸۴ھ فردوسی نے بیان کیا ہے۔

سر آمد کنون قصۂ یزدگرد ٭ بماہ سفندار مذ روز ارد
ز ہجرت شدہ سی صد از روزگار ٭ چو ہشتاد و چار از برش بر شمار

ایک جگہ سنہ ۴۰۰ھ بیان کرتا ہے۔

ز ہجرت شدہ پنج ہشتاد بار ٭ کہ گفتم من این نامۂ شہریار

علامہ ابوالفتح علی بن محمد البنداری الاصفہانی نے جنہے شاہنامہ کا عربی ترجمہ کیا ہے اس کا سال اختتام سنہ ۳۸۴ھ لکھا ہے۔ اگر شاہنامہ کی ابتدا سلطان کی فرمایش سے تسلیم کی جائے۔ اور یہ بھی خیال قائم کر لیا جائے کہ سلطان نے تخت نشین ہوتے ہی سب سے پہلا جو حکم دیا وہ شاہنامہ نظم کرنے کا تھا تو سلطان سنہ ۳۸۷ھ میں تخت نشین ہوا اس میں اگر مدت تصنیف (۳۰) جمع کیا جائے سنہ ۴۱۷ھ میں شاہنامہ ختم ہوا۔ اور فردوسی نے سنہ ۴۱۱ھ میں وفات پائی تو فردوسی کے مرنے سے چھ سال بعد شاہنامہ ختم ہوا اور اگر مدت تصنیف ۳۵ سال خیال کیجائے تو سنہ ۴۲۲ھ میں شاہنامہ ختم ہوا گویا کہ فردوسی کے انتقال سے گیارہ سال بعد خان النجان کے متعلق جو روایت ہے اس سے ثابت ہوتا ہے سنہ ۳۸۹ھ میں شاہنامہ مکمل ہو چکا تھا۔ چہار مقالہ کی ہندوستان والی روایت سے اس کا سال اختتام سنہ ۳۷۲ھ ثابت ہوتا ہے غرض کسی تاریخی حساب سے شاہنامہ کا سلطان کے دربار میں مکمل ہو کر پیش ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

شاہنامہ کی مدت تصنیف

دیباچۂ قدیم میں ہے کہ شاہنامہ چھ سال میں تصنیف ہوا۔ چونکہ فردوسی اس کے خلاف بیان کرتا ہے۔ لہٰذا یہ روایت قابل التفات نہیں۔ فردوسی کے قول سے مدت تصنیف تیس و پینتیس ثابت ہوتی ہے۔

تیس ۳۰ سال

کز ان پیچ شد رنج سی سالہ ام ٭ شنید آسمان از زمین نالہ ام

بسے رنج بردم دریں سال سی ✣ عجم گرم کردم بدیں پارسی ✣

پینتیس ۳۵ سال

چو بر باد دادند رنج مرا ✣ نبُد حاصلے سی و پنج مرا ✣

دوسری جگہ کہتا ہے۔

بسی سال و پنج از سرائے سپنج ✣ چنیں رنج بردم بامید گنج

چہار مقالہ میں اس کی مدت تصنیف پندرہ سال درج ہے چونکہ یہ مدت فردوسی کے بیان کے خلاف ہے اس لئے قابل تسلیم نہیں۔ چونکہ فردوسی سے تیس سال کی مدت میں جو دوسرا شعر نقل کیا گیا ہے بروئے قواعد شاعری وہ غلط ہے اسلئے اس شعر کی نسبت فردوسی کی طرف صحیح نہیں ہے۔ اور پینتیس سال کی مدت دو صحیح اشعار سے ثابت ہے اسلئے یہی صحیح ہے۔

شاہنامہ کا مقام آغاز و اختتام

برٹش میوزیم کے شاہنامہ سے شاہنامہ کا خان النجان کے نام معنون ہونا ثابت ہے اسلئے شاہنامہ کا آغاز و اختتام دونوں طوس میں ہوئے۔ اور یہ سب کچھ محمود کی تخت نشینی سے قبل ہو چکا تھا۔ شاہنامہ میں فردوسی نے ۳۸۴ھ سال اختتام لکھا ہے اس سن میں محمود کی سلطنت کا وجود بھی نہ تھا۔

نثر صاحب کی روایت ہے کہ فردوسی نے شاہنامہ شروع کر دیا تھا جب غزنین آیا تو سلطان سُن کر خوش ہوا اور انعام کا وعدہ کیا۔ نظامی عروضی نے لکھا ہے کہ شاہنامہ طوس میں ختم ہو کر خواجہ احمد بن حسن میمندی کی معرفت پیش ہوا۔ تاریخ فرشتہ سے ثابت ہے کہ فردوسی شاہنامہ ختم کرنے سے قبل غزنین سے فرار ہوا۔ اور ادھر اُدھر پھر کر طوس جا کر مرا اور شاہنامہ ناتمام چھوڑا۔ خیابان کی روایت اس کی مؤید ہے۔ تذکرہ دولت شاہ میں ہے کہ فردوسی جب غزنین سے نکلا تو شاہنامہ ناتمام تھا۔ غزنین سے فردوسی کا قبل از اختتام شاہنامہ فرار ہونا ثابت کرتا ہے کہ فردوسی کی فراری کا باعث شاہنامہ کا معاملہ نہ تھا۔ بلکہ کوئی دوسری وجہ تھی۔ ایک روایت ہے کہ فردوسی نے شاہنامہ اپنے شوق

سے طوس میں شروع کیا۔ اور تاریخی سرمایہ اُس کو اُس کے ایک دوست نے دیا فردوسی نے بھی اس واقع کو بیان کیا ہے۔

بہ شہرم یکے مہربان دوست بود ۔۔۔ تو گفتی کہ با من بہ یک پوست بود
مرا گفت خوب آمد این رائے تو ۔۔۔ بہ نیکی خرامد مگر پائے تو
نوشتہ من این نامہ پہلوی ۔۔۔ بہ پیش تو آرم مگر نغنوی
شو این نامۂ خسرواں بازگو ۔۔۔ بدین جوئے نزد مہان آبرو
چو آورد این نامہ نزدیک من ۔۔۔ برافروخت این جان تاریک من

غرض شاہنامہ کے آغاز و انجام کا تعلق غزنین سے ثابت نہیں ہوتا۔

شاہنامہ کا انتساب

برٹش میوزیم کے شاہنامہ میں اشعار ذیل ہیں۔ جنمیں فردوسی شاہنامہ کو ۳۸۹ھ میں ختم کرکے خان النجان (ایک ناحیہ ہے اصفہان کے قریب) کے رئیس احمد بن محمد بن ابی بکر الاصفہانی کے نام سے معنون کرتا ہے۔

اگر سال سر آز ردت آمد ست ۔۔۔ نہم سال و ہشتاد یا سی صد ست
گرانمایہ احمد کہ ہم سال او ۔۔۔ بجو بد بہر جا از و آل او
زبا باش جوئی تو نام درست ۔۔۔ ابو بکر آخر محمد نخست
خداوند این دفتر بندہ کرد ۔۔۔ لب ہر مرادم پر از خندہ کرد

قیاس چاہتا ہے کہ یہ مضمون صحیح ہے کیونکہ فردوسی دوسری جگہ کہتا ہے کہ میں نے اس کتاب کو مکمل کرکے بیس برس تک محفوظ رکھا۔ اور اس تلاش میں رہا کہ کس کے نام سے معنون کروں۔

سخن را نگہ داشتم سال بیست ۔۔۔ کہ بینم سزاوار این گنج کیست

انگلستان کے نامور مستشرق پروفیسر براؤن نے اپنی کتاب ادبیات عجم میں یہ تحقیق لکھی ہے کہ محمود کے دربار میں شاہنامہ کا سکینڈ اڈیشن پیش ہوا تھا۔ اس پروفیسر کی تحقیقات کی بموجب سلطان کے فرمایش کرنے اور انعام وعدۂ انعام سب کی

دیباچۂ قدیم میں روایت ہے کہ فردوسی سلطان کے دربار سے علیحدہ ہوکر سلطان کے بھائی کے پاس خراسان گیا اور شاہنامہ پیش کرکے طالب انعام ہوا اور درخواست کی کہ سلطان سے سفارش کردے۔ اس روایت پر نظر کرنے سے صاف سمجھ میں آتا ہے اگر فردوسی ہجو لکھتا تو کس منھ سے اور کس جرأت سے سلطان کے بھائی کے پاس جاتا اور صفائی کی سعی کرتا۔ اس موقع پر فردوسی نے اپنے اخراج کا باعث مخالفین کی درازی بیان کیا۔ انعام وغیرہ کا ذکر نہیں کیا داستان شیرین خسرو کے تمہید میں بھی وہ شاہنامہ کے ذکر کے بعد لکھتا ہے۔

حسد برد بدگوئے در کار من ٭ تبہ شد بر شاہ بازار من

فردوسی جب غزنین سے نکلا تو جامع مسجد کی دیوار پر لکھ گیا۔

خجستہ درگہ محمود غزنوی دریاست ٭ چگونہ دریا کان را کرانہ پیدا نیست
چو غوطہ ہا زدم و اندرو ندیدم دُر ٭ گناہ بخت من است ایں گناہ دریا نیست

یہ رباعی برٹش میوزیم کے شاہنامہ پر بھی لکھی ہوئی ہے۔ الغرض فردوسی سلطان سے ناراض نہ تھا اس لئے وہ کیوں ہجو لکھتا۔

مَوجُودہ ہجو فردوسی کی تصنیف نہیں

پہلے ہجو کی اصل روایت قابل غور ہے۔ چہار مقالہ میں ہے شاہنامہ برگرفت (فردوسی) وبطبرستان شد بنزدیک اسپہبد شہریار کہ از آل باوند در طبرستان بادشاہ او بود و آن خاندانیست بزرگ کہ نسب ایشان بہ یزدگرد شہریار میوند و پس محمود را ہجا کرد در دیباچہ صد بیتے بر شہریار خواند و گفت من این کتاب را از نام محمود با نام تو خواہم کردن کہ ایں کتاب ہمہ اخبار آبا و اجداد تست شہریار او را بنواخت و نکوہا ئی فرمود گفت یا او ستاد محمود را بر آن داشتند و کتاب ترا بشرطے عرضہ نہ کردند و ترا تخلیط کردند و دیگر تو مرد شیعی و ہر کہ تولی بخاندان پیغمبر کند او را دنیاوی ہیچ کارے نرود کہ ایشان را خود نرفتہ است محمود خداوندگار من است تو شاہنامہ بنام او رہا کن و ہجو او بمن دہ تا بشویم و ترا اندک چیزے دہم۔ اس روایت سے

ہجو کا لکھنا ثابت ہوتا ہے۔ لیکن یہہ روایت عظیم الشان تاریخی اغلاط کا مجموعہ ہے۔ اسپہبد شہریار ۳۵۵ھ میں محمود کی تخت نشینی سے ۲۸ سال قبل فوت ہو چکا تھا۔ پھر شہریار کا یہ قول کہ "محمود خداوندگار من است" اور فردوسی کا اس کے دربار میں جانا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ محمود کے عہد حکومت میں طبرستان کا بادشاہ قابوس بن وشمگیر تھا۔ اور محمود کا طبرستان پر اس زمانہ میں کچھ اثر نہ تھا اسلئے یہ فقرہ کہ خداوندگار من است سراسر غلط ہے۔ اس روایت میں فردوسی کہتا ہے شہریار سے کہ این ہمہ اخبار آبا و اجداد تست۔ کیا فردوسی اس سے بیخبر تھا کہ یہی محمود کے اجداد ہیں۔ یہہ فقرہ کہ ہر کہ تولی بخاندان پیغمبر الخ شہریار کا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس زمانہ میں شیعہ صاحب تاج و تخت تھے۔ غرض آگے روایت کا ماحصل یہ ہے کہ شہریار نے ایک لاکھ روپیہ دیکر ہجو فردوسی سے لیکر تلف کر دی۔ چھ شعر اس کی یادگار باقی رہ گئے۔ جب اس زمانہ میں چھہ شعر رہ گئے تھے تو اب یہہ سینکڑوں کہاں سے پیدا ہو گئے۔ اس روایت میں چھہ شعر کا باقی رہنا بیان کیا گیا ہے لیکن فردوسی خود کل کا تلف کر دینا بیان کرتا ہے۔ "ناصرلک (والی قہستان) بملایمت و مہربانی او (فردوسی) را ازیں کار (ہجو) منع کردہ کہ از اہل کمال سیما نسبت بہ بادشاہ ذی شوکت این سلوک پسندیدہ نیست۔ قولاً و فعلاً آنچہ متعلق بہ ہجوی فردوسی بود بعمل آورد و التماس کرد کہ این سخنان را از دل و زبان و از دفتر محو سازد و فردوسی این وسوسہ را از خاطر بیرون کرد و از گفتہائے سابق پشیمان شدہ و آنچہ ہمراہ داشت بشست و این ابیات گفتہ بنا صرلک فرستاد۔

(۱) بغزنین مرا گرچہ خون شد جگر ۔ ٭ ز بیدادِ آن شاہِ بیدادگر
(۲) کزان ہیچ شد رنج سی سالہ ام ٭ شنید آسمان از زمین نالہ ام
(۳) ہمی خواستم تا فغانہا کنم ٭ بگیتی ازان داستانہا کنم
(۴) بگویم ز مادرش و نیز از پدرش ٭ نترسم بغیر از خداوند عرش
(۵) کنمش آنچنان روسیاہ از نخست ٭ کہ نتواند آنرا بہیچ آب شست
(۶) چو دشمن نمید اند از دوست باز ٭ بہ تیغ زبانش کشم پوست باز
(۷) ولیکن بفرمودہ محتشم ٭ ندانم گزیں پیش سر چون کنم
(۸) فرستادم از گفتہ داشتم ٭ بنزدیک خود ہیچ نگذاشتم

(۹) اگر باشد این گفتہ ہا ناصواب ٭ بسوزاں بآتش بشویاں بآب

(۱۰) گزشتم ابا سرور نیک رائے ٭ ازیں داوری تا بدیگر سرائے

(۱۱) رسد لطف یزداں بفریاد من ٭ ستاند بمحشر ازو داد من

(۳ و ۴ و ۵) سے معلوم ہوتا ہے کہ جو نظم ہجو فردوسی نے لکھی تھی اسمیں ماں باپ وغیرہ کا ذکر نہ تھا لیکن موجودہ ہجو میں ہے لہٰذا یہ ہجو وہ نہیں جو فردوسی نے لکھی تھی ان اشعار میں ایسا لکھنے کا ارادہ اور اس ارادہ کا ترک ظاہر کرتا ہے۔ (۹) سے معلوم ہوتا ہے کہ فردوسی نے کوئی نظم سلطان کے خلاف ضرور لکھی تھی مگر وہ ایسی فحش نہ تھی بلکہ کچھ معمولی شکایت کے طور پر تھی اگر موجودہ ہجو ہوتی تو (اگر باشد این گفتہ ہا ناصواب) نہ کہتا کیونکہ اس میں تو سراسر ناصواب کہا گیا ہے اور وہ ایسی نظم تھی کہ جسکے ناصواب ہونے میں شبہ تھا۔ ایک روایت یہ ہے کہ سپہبد شہریار کے کہنے سے فردوسی نے ہجو تلف کی اور رفع ندامت کیلئے یہ اشعار لکھے ؂

حکیم گفت کسی را کہ بخت والا نیست ٭ بہیچ وجہ مرا او را زمانہ جویا نیست
برو مجاور دریا نشین مگر روزے ٭ بدست افتدورے کنجاش ہستا نیست
خجستہ حضرت محمود زاول آن دریاست ٭ چگونہ دریا کہ او را اکرانہ پیدا نیست
چو غوطہ ہا زدم و اندرونہ دیدم در ٭ گناہ بخت من است ایں گناہ دریا نیست

چہار مقالہ کی اس روایت میں فردوسی کا طبرستان جانا لکھا ہے۔ تذکرہ دولت شاہ میں رسمدار (قہستان لکھا ہے ریاض الشعراء میں تقی اوحدی کے حوالے سے لکھا ہے کہ بعد از فرار ز سلطان محمود بہ بند آمد و مدتے در دہلی بود۔ چہار مقالہ کی روایت میں ہے سو شعر ہجو کے تھے دیباچہ قدیم میں ہے کہ ہجو کے دو تین شعر لکھ کر ایاز کو دیدئے اور روپوش ہوگیا ایاز نے عرصے بعد وہ کاغذ سلطان کے حضور میں پیش کیا سلطان برہم ہوا اور فردوسی کی گرفتاری کے لئے پچاس ہزار انعام کا اشتہار جاری کیا۔ مگر وہ ہاتھ نہ آیا۔ اس روایت میں ایک بڑی غلطی یہ ہے آج اگر کوئی کسی چھوٹے زمیندار کے نوکر کو بھی کاغذ دے کہ وہ اپنے آقا کو دیدینا تو وہ جبتک تحقیق نہیں کر لیتا ہے۔ کہ کیسا کاغذ ہے پیش کرنیکی جرأت نہیں کرتا۔ محمود کا مصاحب ایسا احمق تھا کہ بغیر دیکھے بھالے کاغذ سلطان کے روبرو پیش کر دیتا۔ پھر ایسے شخص کا کاغذ جو دربار سے ناخوش ہوکر جاتا تھا۔ ایاز فردوسی کا مخالف تھا۔ (تذکرہ دولت شاہ) تو فردوسی اس کو کیوں شعر دیتا اور وہ کیوں لیتا۔ اور اگر ایسا ہوتا تو بغیر سوچے سمجھے دیکھے بھالے نہ لیتا۔

مجالس المؤمنین میں قاضی نور اللہ شوستری (شیعہ مجتہد) نے پوری ہجو نقل کی ہے۔ کل (۶۹) اشعار ہیں اُن میں سے بھی بعض دیباچہ بایسنغر خانی کے ہیں اور بعض کسی نسخے میں نہیں ملتے۔ اب اس ہجو کے اشعار کی تعداد بھی مختلف ہے۔ نولکشوری مطبوعہ میں تعداد ہجو (۱۰۲) اشعار

و دیگر مطابع میں (۱۰۵ و ۱۳۴) بعض نسخوں میں (۲۰۰) یا اس سے زیادہ ہیں۔ کتب خانۂ آصفیہ کے تینوں نسخوں میں اس ہجو کے اشعار میں بھی زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ایک شاہنامہ میں ہجو کی ابتدا اس شعر سے ہے۔

الا اے خـــرد مند صاحب خبر * بگفتار و کردار من در نگر *

اس شعر میں بھی اختلاف ہے۔ بعض میں صاحب خبر کی جگہ اہل ہنر ہے اور کردار کیجگہ اشعار ہے دوسرے نسخے میں ابتدا اس شعر سے ہے۔

آیا شاہ محمود کشور کشائے * زکس گر نہ ترسی بترس از خدائے

اس شعر میں بھی اختلاف ہے آیا کی جگہ کسی میں الا اور کسی میں ایا ہے زکس کیجگہ بعض میں کہ کس ہے۔ کشور کشائے کیجگہ کشور خدائے ہے زکس گر کی جگہ زکس در ہے۔ تیسری نسخے میں ابتدا اس شعر سے ہے۔

بدان شہریارا کہ ایں روزگار * نماند بسے بر کسے یادگار *

اس ہجو کے بعض اشعار کے بعض مصرعے شاہنامہ کے متفرق مقامات سے لئے گئے ہیں۔ مثلاً۔ پدر از صفاہان بُد آہنگرے) یہ مصرع گیو پر طنز کا ہے۔

بعض مصرعے دوسرے شعرا کے مسروق ہیں مثلاً (فریدون فرخ فرشتہ نبود) یہ مصرع خواجہ سعدی علیہ الرحمہ کا ہے وہ فرماتے ہیں۔

فریدون فرخ فرشتہ نبود * ز مشک و ز عنبر سرشتہ نبود
ز داد و دہش یافت او نیکوی * تو داد و دہش کن فریدون تو ی

فردوسی کا رتبہ شاعری میں تمام شعرا ایران سے بلند ہے۔ استاد عزیزی نے کہا ہے

در شعر سہ کس پیمبر انند * ہر چند کہ لا نبی بعدی
ابیات و قصیدہ و غزل را * فردوسی و انوری و سعدیؒ

دوسرے استاد نے کہا۔ "فردوسی در سخن خدا بود" چنانچہ اس ہی قول کی تائید میں فردوسی کے متعلق انوری لکھتا ہے۔

آفرین بر روان فـــردوسی * آن ہمایوں نہاد فرخندہ

اوکہ استاد بود ما شاگرد ÷ او خداوند بود ما بندہ

مولانا نظامی فرماتے ہیں۔

سخن گوئے پیشینہ دانائے طوس + کہ آراست روئے سخن چون عروس

شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

چہ خوش گفت فردوسی پاک زاد + کہ رحمت بر آن تربت پاک باد ÷

فردوسی کے زور کلام سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ خدائے سخن کا خطاب اس کو زیبا تھا

شاہنامہ

پاسخ فریدوں سلم و تور را

چو بشنید شاہ جہان کدخدائے ÷ پیام دو فرزند ناپاک رائے

یکایک بمردگر انما یہ گفت ÷ کہ خورشید را چون توانی نہفت

نہان دل آن دو مرد پلید ÷ ز خورشید روشن تر آمد پدید

شنیدم ہمہ ہرچہ گفتی سخن ÷ نگہ کن کہ پاسخ چہ یابی زمن

بگو آن دو بے شرم ناپاک را ÷ دو بیداد بدمہر ناپاک را

ان اشعار سے ہجو کے اشعار کو ملانے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہجو کے پست اشعار خدائے سخن کیا کسی معمولی شاعر کے بھی نہیں۔ بلکہ کسی ایسے شخص کے لکھے ہوئے ہیں جو فن شاعری سے نابلد تھا۔ ان دو سو اشعار میں شاید ایک شعر بھی ایسا نہیں کہ جس میں غلطی نہ ہو۔ سب کی غلطیاں اور اختلاف لکھنے کیلئے ایک جداگانہ رسالہ کی ضرورت ہے میں چند اشعار کی غلطیاں ظاہر کرتا ہوں۔ کیونکہ خدائے سخن کے نام پر تو ایک غلطی بھی کافی ہے۔

ایا شاہ محمود کشور کشائے ÷ زکس گر نہ ترسی بترس از خدائے

کشور کشائے مدح ہے۔ ہجو میں مدحیہ الفاظ کا لانا موزوں نہیں۔ شاعر کی قادر الکلامی پر دھبہ لگاتا ہے۔

کف شاہ محمود عالی تبار + نہ اندر نہ آمد سہ اندر چہار

کف - عالی - عربی الفاظ ہیں - شاہنامہ صنعت لزوم میں ہے اس لئے یہ شعر شاہنامہ کا نہیں ہو سکتا عالی تبار پر وہی پہلے شعر کا اعتراض وارد ہوتا ہے۔

ندیدی تو این خاطر تیز من + نیندیشی از طبع خونریز من

طبع عربی لفظ ہے۔ بعض نسخوں میں نیندیشی کی جگہ نترسیدی ہے۔ طبع کی صفت خونریز نہیں۔ خونریز شمشیر کی صفت ہے۔ اگر طبع کی جگہ تیغ کہا جائے تو یہاں اسکا محل نہیں۔ ایک شاعر دھمکیاں دے رہا ہے نہ کہ کوئی سپاہی۔ اگر طبع کی صفت خونریز فرض کر لیجائے تو وہ طبع معشوق کی ہو گی یا سپاہی کی۔ شاعر کی طبع کے لئے خونریز کسی طرح موزوں نہیں۔ کہیں خطابیہ اشعار ہیں۔ جیسے

مرا سہم کردی کہ در پائے پیل + تنت را بسایم چو دریائے نیل

بعض نسخوں میں کردی کی جگہ دادی ہے۔ دریا کا پاؤں کے نیچے پیسنا یا ملنا کسی زبان کا محاورہ نہیں۔ نہ موزوں ہے خاک کا پاؤں نیچے ملنا یا پیسنا کہا جا سکتا ہے۔

کہیں جمع غائب ہے جیسے۔

مرا غمزہ کردند کان پر سخن + بمہر نبی و علی شد کہن

اس شعر کا کہنے والا ادائی مطلب پر قادر نہیں شاعر کا مطلب یہ ہے کہ مجھ کو شیعہ کہا گیا لیکن کہتا ہے مہر علیؑ و نبیؐ شد کہن۔ مہر نبیؐ و علیؑ تو ہر مسلمان کا ایمان ہے سلطان محمود کا بھی یہی ایمان تھا۔ کہنا چاہتا تھا کہ مجھ کو شیعہ کہا گیا۔ مجھ کو خلفائے ثلاثہ سے بیزاری ظاہر کرنیوالا کہا گیا۔ شاعر کیا کہنا چاہتا تھا اور کیا کہہ گیا۔

من از مہر این ہر دو شہ نگزرم + اگر تیغ شہ بر رود بر سرم

یہ شعر بھی شاعر کے مطلب کو ادا نہیں کرتا کیونکہ مہر نبیؐ و علیؑ کے چھوڑنے کو تو کوئی مسلمان کہہ ہی نہیں سکتا۔ شاعر کہنا چاہتا ہے کہ میں شیعیت کو چھوڑنا نہیں چاہتا مگر نہیں کہہ سکا۔ سنہ ۶۰۰ھ تک رسول کریم و ائمہ و صحابہؓ کیلئے شہ کا لفظ استعمال نہیں ہوا۔ شاہنامہ سنہ ۴۰۰ھ کی تصنیف ہے۔ اس لئے یہ شعر شاہنامہ کا نہیں سنہ ۶۰۰ھ کے بعد کا ہے۔ دونوں مصرعوں میں شہ آیا ہے۔ یہ بھی خفیف عیب ہے۔

برین بودہ ام ہم برین بگذرم + ثنا گوئے پیغمبرؐ م و حیدرؓ م

دوسرے نسخہ میں یوں ہے۔ یقین دان کہ خاکِ درِ حیدرم ۔ یہہ شعر بھی اپنا مطلب پورا نہیں کرتا ہے۔ اس پر بھی مذکورہ بالا دونوں شعروں والا اعتراض وارد ہوتا ہے۔

بعض اشعار ایسے ہیں کہ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکا کہنے والا کوئی اور ہے فردوسی نہیں۔ جیسے۔

کہ فردوسی طوسی پاک جفت ۞ نہ این نامہ بر نام محمود گفت
چو فردوسی اندر زمانہ نہ بود ۞ بدان بدکہ بخشش یگانہ نبود

ہر آنکس کہ در دلش بغض علیؑ ست ۞ ازو در جہان خوار تر گو کہ کیست

پہلے مصرع میں دِلَش کی جگہ دِلِش پڑھا جائیگا تو مصرع ملیگا۔ دلِش کوئی لفظ نہیں۔

جہان تا بود شہریاران بود ۞ پیامم بر تاجداران بود

شہریاران جمع ہے اس لئے جمع کا صیغہ بودند آنا چاہئے تھا۔ اگر پہلے مصرع میں بودند پڑھا جائے تو دوسرے میں بودند سے مصرع مہمل ہوتا ہے۔

ہر آنکس کہ شعر مرا کرد پست ۞ نگیرد ش گردوں گردندہ دست

دوسرا مصرع نہیں ملتا۔ اور یہہ شعر کہیں شاعروں کے معرکہ کا ہے۔ شاہنامہ کے متعلق تو پستی و بلندی کا سوال ہی نہ تھا۔ یہہ ہجو تو انعام کے جھگڑے پر لکھی گئی ہے اسلئے یہ شعر بے محل ہے۔

چو پرویز ہرمز چو پورش قباد ۞ چو خسرو کہ پرویز نامش نہاد

شاہنامہ شاہانِ ایران کی تاریخ ہے اور فردوسی مؤرخ قدیم ہے اس شعر میں عظیم الشان تاریخی غلطی ہے۔ مصرع اولی سے ثابت ہوتا ہے کہ پرویز کا بیٹا ہرمز تھا۔ لیکن ہرمز کا بیٹا پرویز تھا۔

پئے افگندم از نظم کاخ بلند ۞ کہ از باد و باراں نیابد گزند ۞

پئے کے معنی واسطے یا پاؤں یا پیچھے ہیں۔ اس شعر میں بنیاد کے معنے میں استعمال کیا گیا ہے۔ کاخ کے لئے پئے افگندن غلط محاورہ ہے۔ جس کو اساتذہ نے کبھی استعمال نہیں کیا۔

بر بادشہ پیکرم زشت کرد ۞ فروزندہ اخگر چو انگشت کرد

بعض نسخوں میں پیکرم کی جگہ صورتم ہے۔ انگشت یعنی انگیٹھی انگر کے لئے یہاں زغال یعنی کوئلہ آنا چاہئے تھا۔ انگشت ناموزون ہے۔

چو گفتار شہ می کند زر بہ سیم ✤ نباشد ہمیں نام او جز لئیم

لئیم عربی لفظ ہے اور زر بسیم کے معنی ہوئے سونا چاندی ملانا۔ لیکن شاعر کہنا چاہتا ہے سونے کے بدلے چاندی۔ یہہ مصرع مطلب ادا نہیں کر سکا۔

نکردی تو در نامۂ من نگاہ ✤ کہ روزی نبودت نکوئی ز شاہ

مصرع آخر میں شاہ صرف قافیہ کے لئے معلوم ہوتا ہے جو ایک نہایت معیوب امر ہے شاعر کا مطلب یہ ہے کہ اے بادشاہ تیری قسمت میں نیکی نہ تھی۔ اور مصرع کا مطلب ہے کہ تیری قسمت میں بادشاہ سے نیکی نہ تھی۔

محمود کو مخاطب کر کے شاہان ایران کے نام گنا کر کہتا ہے۔

ہمہ داد کردند بر زیردست ✤ نبودند جز پاک یزدان پرست

نکردند جز خوبی و راستی ✤ نگشتند گرد کم و کاستی

یہہ بیان تاریخ کے خلاف ہے۔ اسلئے فردوسی مورخ کا بیان نہیں۔ کیونکہ شاہان ایران میں ضحاک بہرام ثانی یزد جرد الاثیم بڑے بڑے ظالم گزرے ہیں۔ کم و کاستی محاورہ نہیں۔ کم و کاست یا کمی و کاستی ہے۔ فردوسی اس محاورہ کو خود شاہنامہ میں اسطرح استعمال کرتا ہے۔

ہنر مردمی باشد و راستی ✤ ز کژی بود کمی و کاستی

مرا زیں جہاں بے نیازی دہد ✤ میان یلان سرفرازی دہد

یلان یعنی پہلوانان۔ یہہ لفظ بے محل ہے۔ میدان جنگ یا اکھاڑا نہیں فردوسی کوئی سپاہی یا رسالدار نہ تھا۔ علمی بزم ہے سخنوران یا علماء ہونا چاہئے تھا۔

و راز جوئے خلدش بہنگام آب ✤ بہ بیخ انگبین ریزی و شہد ناب

انگبین اور شہد ایک چیز ہے۔ یہہ استعمال مترادفات غلط ہے۔

تردید ہو گئی۔

دوسری جگہ فردوسی اپنے پہلے قول کے خلاف کہتا ہے۔

جہاں تا بود شہریاراں بود ٭ پیامم بر تاجداراں بود

کہ فردوسی طوسی پاک جفت ٭ نہ ایں نامہ بر نام محمود گفت

بنام نبی و علی گفتہ ام ٭ گہرہائے معنے بسے سفتہ ام

یہاں نبی و علی کے نام سے معنون کرتا ہے لیکن اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شاعر فاترالعقل تھا۔ کیونکہ کسی کتاب کو کسی بڑے آدمی کے نام سے معنون کرنیکا بڑا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ خوش ہو۔ اب خیال کر لیا جائے کہ کفار و مشرکین کی مبالغہ آمیز مدح اور معنون ہو نبی و علے کے نام پر۔ فردوسی نے تصنیف شاہنامہ کو خود بھی گناہ شمار کیا ہے جیسا کہ آگے مذکور ہوگا۔ پس گناہ کے کام کو نبی و علی کے نام پر معنون کرنا۔ یہ کام کوئی صاحب عقل تو کر نہیں سکتا۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ کوئی قصیدہ لکھے مدح میں سلطان صلاح الدین کی۔ اور اس کو ڈیڈیکیٹ کرے مسٹر گلیڈسٹون کے نام یا مدح لکھی محمود کی اور معنون کرے پنڈت دیانند کے نام اور پھر یہ امید رکھے کہ اس مستحسن فعل سے اونکی ارواح اور اون کے متبعین مجھ سے خوش ہونگے۔ بہرحال کسی کے نام معنون ہوا ہو۔ سلطان محمود کے نام پر معنون کرنیسے خود فردوسی کو انکار ہے۔

فردوسی نے کس عمر میں شاہنامہ تصنیف کرنا شروع کیا

ہجو میں فردوسی کا شعر ہے۔

کنون عمر نزدیک ہفتاد شد ٭ امیدم بہ یکبارہ برباد شد

اور ہجو اور اختتام شاہنامہ کو ۴۰۰ھ میں قرار دیا جاتا ہے تو ۴۰۰ھ میں فردوسی زیادہ سے زیادہ (۶۹) برس کا تھا۔ اس لئے اس کی ولادت سا ۳۳۱ھ کی ہوئی اور ایک حساب سے جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے شاہنامہ کا آغاز ۳۷۰ھ سے ثابت ہوتا ہے اسلئے فردوسی نے چھ سال کی عمر میں شاہنامہ تصنیف کرنا شروع کیا۔ یہ روایت بھی نقل کیجا چکی ہے کہ فردوسی دربار محمود سے فرار ہو کر جب طوس پہنچا تو وہ بھی اس کام کو یعنی تصنیف شاہنامہ کو گناہ سمجھا۔ اور اس افسوس میں اس نے وہ اشعار لکھے (دریغا جوانی دریغا جوانی)

تو یہ اشعار بھی سنہ ھ ہی کے قرار دیئے جا سکتے ہیں۔ اس میں اس نے لکھا ہے کہ میں اس کام میں یعنی مبالغہ آمیز شاعری میں (۶۲) برس مبتلا رہا اور سنہ ھ میں وہ (۶۹) برس کا تھا تو گویا ۷ سال کی عمر میں وہ شاعری کرتا تھا۔

فردوسی اور دربار سلطانی

فردوسی کے دربار سلطانی میں رسائی پانے کے متعلق بھی مختلف روایتیں ہیں۔ جو تمام تذکروں میں موجود ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ سلطان نے اس کا آوازۂ سخن سن کر اس کو طلب کیا دوسری روایت یہ ہے کہ وہ سلطان کی سخاوت و قدر دانی کو سن کر آیا۔ تیسری روایت یہ ہے کہ وہ دربار سلطانی میں ایک فریاد لے کر آیا۔ چوتھی روایت یہ ہے کہ دربار سلطانی میں مشاعرہ تھا۔ فردوسی بھی پہنچ گیا اور اس نے وہاں یہ مصرع کہا (مانند سنان گیو در جنگ پشن) اسپر سلطان نے اوس کو زمرۂ شعرا میں داخل کیا۔ پانچویں روایت یہ ہے کہ عنصری وغیرہ شعرا باغ میں بیٹھے تھے فردوسی پہنچ گیا۔ وہ ایک مصرع پر طبع آزمائی کر رہے تھے اسپر فردوسی نے مذکورۂ بالا مصرع کہا عنصری کو بہت پسند آیا۔ اُسنے فردوسی کو دربار سلطانی میں پیش کیا۔ چھٹی روایت یہ ہے کہ ماہک نے اُس کی تقریب دربار سلطانی میں کی۔

شاہنامہ اور سلطان کی سرپرستی

فردوسی ایک جگہ منصور بن محمد (والئ طوس) کو شاہنامہ کا سرپرست بتلاتا ہے

بدیں نامہ چوں دست کردم دراز — یکے مہتری بود گردن فراز
جواں بود از گوہر پہلواں — خردمند و بیدار و روشن رواں
مرا گفت کز من چہ آید ہمی — کہ جانت سخن بر گراید ہمی

ایک جگہ علی دیلم اور بودلف کو سرپرست کہتا ہے۔

از ان نامور نامداران شہر — علی دیلم و بودلف راست بہر

اگرچہ بعض مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ سلطان نے شاہنامہ کی فرمایش کی۔ لیکن گزشتہ اوراق میں تاریخی حساب اور مدلل واقعات سے اس کی کافی سے زیادہ تردید ہو چکی ہے۔ قیاس بھی یہی چاہتا ہے کہ سلطان نے ہرگز ایسی فرمایش نہ کی ہوگی۔ کیونکہ سلطان کو ایک متعصب دیندار کہا جاتا ہے۔ پس ایسا شخص کفار کی مداحی پہ ساٹھ ہزار اشرفی خرچ نہیں کر سکتا۔ اگر رزمیہ نظم کا شوق ہوتا تو سلطان کے سامنے تاریخ اسلام کا وسیع میدان موجود تھا۔ جسپر رقم خرچ کرکے دنیا کی ناموری کے علاوہ فلاح عقبےٰ کی امید بھی کر سکتا تھا۔ سلطان کی تو ایک عظیم الشان ہستی تھی۔ فردوسی کے اس کام کو تو معمولی مسلمانوں نے بھی پسند نہیں کیا۔ چنانچہ چہار مقالہ میں روایت ہے کہ فردوسی شہر یار کے پاس طبرستان شاہنامہ کو لیکر گیا۔ اور اس کے نام معنون کرنا چاہا۔ لیکن اس نے انکار کیا۔ اور سلطان محمود کی ہجو تلف کرنے کے معاوضہ میں کہا۔ (تر اندک چیزے دہم۔) اس ہی زمانہ میں شاہنامہ کے رد و جواب میں عمر نامہ تصنیف کیا گیا۔ آشوب تورانی اسی وجہ سے فردوسی سے نہایت برافروختہ ہے۔ اوس کے متعلق کہتا ہے۔

لیکن موبد نان مجوس ۔۔۔ بہر دخمۂ نوحہ خوانِ مجوس
دلش گبر و جان گبر و گبری زبان ۔۔۔ زگبران بگبری زبان قصہ خوان
نویسندۂ داستانِ مغان ۔۔۔ بزرگی دہ خاندانِ مغان

صولت فاروقی

اسرار نامہ میں خواجہ عطار نے ایک روایت لکھی ہے کہ خواجہ ابو القاسم خرقانی سے فردوسی کے نماز جنازہ پڑھنے کو کہا گیا تو خواجہ نے فرمایا۔

چنیں گفت او کہ فردوسی بسے گفت ۔۔۔ ہمہ در حق گبر ناکسے گفت
مرا در کار او برگ ریا نیست ۔۔۔ نماز م برچنین شاعر روا نیست

خواجہ سعدیؒ شیرازی اس طرح اظہار ناراضی کرتے ہیں۔

اگر چہ چاہ نصرانی نہ پاک است ۔۔۔ جہود مردہ می شوئی چہ باک است

چنانچہ آشوب تورانی اس ہی شعر کی طرف اشارہ کرکے فردوسی کو مخاطب کرتا ہے

ازیں بیشتر سعدیؒ بے بدل ۔۔۔ بحق تو گویا سرود ایں مثل

کہ گر چاہ نصرانیان نیست پاک ۔ بشوئی اگر مردہ گبرے چہ باک

فردوسی نے خود بھی اپنے اس کام کو گناہ شمار کیا ہے چنانچہ ریاض الشعرا میں ہے
حکیم مذبور (فردوسی) بعد از گفتن شاہنامہ و رفتن از غزنین بکفارۂ آن یوسف زلیخا
در ہمان بحر گفتہ است اور فردوسی لکھتا ہے۔

بسے رنج دیدم بسے گفتہ خواندم ۔ زگفتار شاہان واز پہلوانی
بچندیں ہنر شصت و دو سال بودم ۔ کہ توشہ برم زاں شکار و نہانی
بجز حسرت و جز وبال گناہاں ۔ ندارم کنون از جوانی نشانی
بیاد جوانی کنوں مو یہ دارم ۔ دریغا جوانی دریغا جوانی

الغرض عقل و نقل کسی صورت سے شاہنامہ کا سلطان کی فرمایش سے لکھا جانا ثابت
نہیں ہوتا۔

انعام کا وعدہ اور انعام

فردوسی آسمان سے اپنی بربادی کی شکایت کرتا ہے اور اپنی ایک ایک مصیبت کو
گنتا ہے مگر انعام اور وعدۂ انعام کا ذکر نہیں کرتا۔ اگر یہ امر واقعہ ہوتا تو اس مصیبت
عظیمہ کو کیوں بھول جاتا۔ چہار مقالہ میں روایت ہے۔

"اما خواجہ بزرگ احمد بن حسن میمندی منازعان داشت و پیوستہ خاک تخلیط
در قدح جاہ او (فردوسی) ہمی انداخت۔ محمود بہ آن جماعت تدبیر کرد کہ فردوسی
را چہ دہیم۔ گفتند پنجاہ ہزار درہم و ایں بسیار است کہ او رامرد رافضی است"

اگر انعام کا پہلے سے وعدہ اور تعین ہو گیا ہوتا تو اس مشورہ کی کیا ضرورت تھی کہ
فردوسی را چہ دہیم"۔ اسی مصنف نے یہ بھی لکھا ہے کہ شاہنامہ طوس میں ختم ہو کر احمد بن
میمندی کی معرفت پیش ہوا۔ لیکن خواجہ کے مخالفوں نے فردوسی کو رافضی وغیرہ ثابت کرکے
پچاس ہزار درہم دینے پر رضامند کیا۔ ان دونوں روایتوں کے خلاف دیباچہ بایسنغر خانی
کی روایت ہے۔ (ارکان ازین جہت با فردوسی انواع خلق و محبت و کرم ہمی نمودند و فردوسی
در مدح ایشان سخن گفتے۔ حسن میمندی ازیں جہت با فردوسی مظنونہ داشتے)۔ اسی حسن میمندی

کی فردوسی ہجو کرتا ہے۔

زمیمندی آئین مردی مجو ✦ زنام و نشانش مکن جستجو
قلم بر سر او بزن ہجو من ✦ کہ گم باد نامش بہر انجمن
بگفتہ حسن کر بزیادہ گوے ✦ نشاید شنیدن سخن زشت روے

لیکن یہہ ایک عظیم الشان تاریخی غلطی ہے۔ فردوسی محمود کے دربار میں موجود تھا وہ تمام امرا و وزرا کو جانتا تھا۔ محمود کے وزرا میں کوئی حسن میمندی نہیں تھا۔ حسن میمندی سبکتگین کا درباری تھا۔ جب سبکتگین نے قصبۂ بست کو فتح کیا تو ضبط اموال پر حسن میمندی کو مامور کیا۔ اس میں خیانت ثابت ہوئی۔ سبکتگین نے حسن میمندی کو قتل کرادیا ان سب کے خلاف دیباچۂ قدیم کی روایت ہے کہ فردوسی عنصری کی معرفت دربار میں آیا۔ اور شاہنامہ کی نظم پر مامور ہوا۔ داستان سیاوش کے ایک ہزار اشعار نمونہ کے طور پر پیش کرکے ایک ہزار دینار انعام پایا" (آگے لکھا ہے) کہ شاہنامہ ختم ہونے پر سلطان کے میر منشی ابو سہل ہمدانی نے عرض کی کہ ایک شاعر کو اسقدر کثیر رقم نہ دیجائے۔ اس ہی دیباچہ میں لکھا ہے کہ فردوسی سلطان کے دربار سے نکلکر امیر ابو المظفر نصر بن ناصر الدین) سلطان کا بھائی) کے پاس گیا۔ اور اس سے درخواست کی کہ وہ سلطان سے اس کی سفارش کردی لیکن انعام اور وعدہ انعام کا ذکر نہیں کیا۔ اور سب کچھ کہا۔ اور چہار مقالہ میں یہہ بھی روایت ہے کہ فردوسی شاہ نامہ لے کر طبرستان گیا۔ والئی طبرستان سے سب کچھ کہا مگر وعدہ انعام کا ذکر نہیں کیا۔ الغرض اگر انعام کا وعدہ او تعین ہوا ہوتا تو ان خاص موقعوں پر فردوسی اس کا ضرور تذکرہ کرتا۔ یہہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ فردوسی کو انعام کی زیادہ پروا نہ تھی۔ چنانچہ دیباچہ بایسنغرخانی میں ہے فردوسی گفت کہ حضرت حق عز شانہ در ازل چنان تقدیر فرمودہ بود کہ ایں کتاب بر زبان من تمام شود مرا در مال سلطان طمع نیست و بجاہ و نصرت حسن میمندی احتیاج ندارم"

من بیش کز مبادی فطرت نبودہ ام ✦ مایل بمال ہرگز و طامع بجاہ نیز
سوئے در وزیر چرا ملتفت شوم ✦ چون فارغم ز بارگہ بادشاہ نیز

لالہ تلسی رام لکھتے ہیں بروئے تحقیقات یہ صحیح ثابت نہیں ہوتا کہ محمود نے فردوسی سے انعام کا وعدہ کیا تھا۔ اور پھر وعدہ خلافی کی۔ بلکہ فردوسی کے معتوب ہونیکا اصلی

سبب مذہب یعنی شیعہ ہونا تھا۔ جو محمود جیسے متعصب کو گوارا نہ ہو سکتا تھا۔ (واقعاتِ ہند)

فردوسی کا مذہب

یہ مسئلہ بھی عقدہ لاینحل ہے شاہنامہ ہی سے وہ شیعہ ثابت ہوتا ہے۔

اگر خلد خواہی بدیگر سرائے ❊ بنزد نبی و وصی گیر جائے ❊
برین زادم و ہم برین بگذرم یقین دان کہ خاک در حیدرم

اور شاہنامہ ہی سے وہ معتزلی ثابت ہوتا ہے۔

بہ بیندگان آفریننده را ❊ نہ بینی مرنجان دو بیننده را

اور شاہنامہ ہی سے وہ سنی ثابت ہوتا ہے۔

چہ گفت آن خداوند تنزیل وحی خداوند امر و خداوند نہی
کہ خورشید بعد از رسولان مہ نتابید بر کس ز بوبکرؓ بہ
عمرؓ کرد اسلام را آشکار بیاراست گیتی چو باد بہار
پس از ہر دو آن بود عثمانؓ گزین خداوند شرم و خداوند دین
چہارم علیؓ بود جفت رسولؐ ❊ کہ او را بخوبی ستاید رسولؐ

اور شاہنامہ ہی سے وہ یہودی اور آتش پرست ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیحؑ پر تبرا کرتا ہے اور ان کے مصلوب ہونیکو بیان کرتا ہے۔

مسیح فریبنده خود کشتہ شد چو از دین یزدان سرش گشتہ شد

آشوب طورانی اس کو لامذہب قرار دیتا ہے چنانچہ لکھتا ہے۔

نہ سنی نہ شیعی نہ مغ نے جہود ❊ نہ ترساندانم ترا دین چہ بود
نہ ہر مذہبے فارغ از ملحدے ❊ ز دیرے برون خارج از مسجدے

مولانا نظامی گنجویؒ اور امام غزالیؒ اس کو سنی لکھتے ہیں۔ خواجہ ابوالقاسم کی جو روایت پہلے نقل کیگئی ہے اُس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر فردوسی شیعہ ہوتا تو خواجہ سے اس کی نماز کی فرمایش نہ کی جاتی۔ اور کی جاتی تو خواجہ یہی جواب دیتے کہ میں شیعہ کی نماز نہیں پڑھتا یہ نہ کہتے کہ (نمازم بر چنین شاعر روا نیست)

"کیا مشکل ہے کہ فردوسی کے متعلق خود اسکے اور دوسروں کے جسقدر اقوال ملتے ہیں وہ بجائے معاملے کو صاف کرنے کے اور الجھاتے ہیں۔ یہ خواجہ ابوالقاسم کے متعلق بھی روایت موضوع معلوم ہوتی ہے کیونکہ اسرار نامہ کے مصنف خواجہ عطار بعد ابیات بیان کریں خواجہ ابوالقاسم کی۔ دونوں حضرات اسلام کے امام اور مسئلہ بیان کریں غلط۔ ایسا مسئلہ جس کو ایک طالب علم بھی جانتا ہے کہ مسلمان فاسق کی نماز نہیں چھوڑی جا سکتی"۔

اس طرح خواجہ سعدیؒ کے متعلق وہ شعر بھی الحاقی معلوم ہوتا ہے۔ "اگر چہ چاہ نصرانی نہ پاک است" کیونکہ خواجہ سعدیؒ ائمہ اسلام میں سے ہیں۔ وہ ایسے معمولی مسئلے ناواقف نہیں ہو سکتے کہ چاہ نصرانی کو خواہ مخواہ ناپاک لکھ دیں۔

سلطان متعصب نہ تھے

سلطان محمود کی رواداری بروئے تاریخ مسلم ہے۔ سلطان نے ہندوستان میں ہندوؤں کو ملک بخشی کی۔ جلیل القدر عہدے دئے۔ شیعہ فاضل البیرونی سلطان کا مصاحب تھا۔ شیعہ شاعر عضاتری رازی کو کشمیر انعام دیا۔ سلطان کی دو لڑکیاں دو شیعہ شہزادوں منوچہر بن قابوس و عنصر المعالی کیکاؤس کو بیاہی گئیں۔ لہٰذا یہ غلط ہے کہ فردوسی کو رافضی سمجھ کر انعام نہیں دیا۔ وزیر میمندی خارجی المذہب تھا۔ الغرض سلطان کے دربار میں مختلف عقاید و مذاہب کے آدمی جمع تھے۔

ہجو گوئی

ایشیائی شعرا ہجو گوئی میں مشاق اور اس کے مشتاق ہوتے ہیں۔ مرزا سودا کا قول ہے جو ہجو نہیں کہتا وہ آدھا شاعر ہے۔ شاعر آج جس کی ہجو لکھتا ہے کل اس کی طرف سے کچھ فائدہ ہونے پر اس کی مدح میں زمین آسمان کے قلابے ملا دیتا ہے کوئی امر

حق ہو یا ناحق۔ اگر شاعر کے خلاف مزاج ہوا وہ فوراً ہجو لکھیگا۔ پس کسی شاعر کے ہجو لکھنے سے کسی مقتدر ہستی کے اخلاق وعادات پر حملہ کرنا دیانتداری کے خلاف ہے۔ فردوسی کے واقعات سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ بڑا ہجو گو تھا۔ اور اسنے اپنے کئی محسنوں کی ہجو لکھی ہے۔ دقیقی مرچکا تھا۔ اُس کے ایک ہزار شعر اسنے شاہنامہ میں ممنونیت کے ساتھ شامل کئے یہ روایت پیشتر نقل کی جاچکی ہے۔ لیکن پھر اس مرحوم کو اس لفظ سے یاد کرتا ہے۔

من ایں زان نوشتم کہ تا شہر یار ٭ بداند سخن گفتن نا بکار ٭

دقیقی کے متعلق ایسے سخت الفاظ لکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ شاعر حق پوش ناحق کوش کاذب تھا۔ کیونکہ دقیقی کا کلام کسی طرح اس کے کلام سے کم نہیں۔ فردوسی کی طرح دقیقی بھی عربی الفاظ کے استعمال سے بچتا ہے۔ شاہنامہ کے چند اشعار نقل کئے جاچکے ہیں دقیقی کا نمونہ بھی لکھا جاتا ہے۔

نیایش ہمی کرد خورشید را ٭ چناں بُردہ بدراہ جمشید را ٭
چو گشتاسپ بر شد بہ تختِ پدر ٭ کہ فرِ پدر داشت بخت پدر
بسر بر نہاد آں پدر دادہ تاج ٭ کہ زیبندہ باشد برآزادہ تاج
منم گفت یزدان پرستندہ شاہ ٭ مرا ایزدِ پاک داد ایں کُلاہ
بداں داد ما را کلاہ بزرگ ٭ کہ بیروں کنیم از رمہ میش گرگ

عنصری شاعر نے اس کو شاہی دربار میں داخل کرایا (تذکرۂ دولت شاہ) مگر اس نے عنصری کی ہجو لکھی۔

بگوش از سروشم بسے مژدہاست ٭ دلم گنج گوہر زبان اژدہاست
چہ سنجد بہ میزانِ من عنصری ٭ گیاچوں کشد پیش گلبن سری

پس اس محسن کش نے اگر سلطان جیسے محسن کی ہجو بھی کی تو وہ اس ہی کی رذالت کو ثابت کریگی۔

فردوسی نے ہجو نہیں لکھی

زخسرو نژادے زوالا سرے ٭ پدر از صفاہان بد آہنگرے

دونوں مصرعوں میں ربط نہیں۔ بعض نسخوں میں ہے (نہ خسرو نژادے نہ والا سرے) دوسرا مصرع اگر تنہا پڑھا جائے تو سامع فیصلہ نہیں کرسکتا کہ شاعر اپنے باپ کو کہتا ہے یا دوسرے کے۔

بسے رنج بردم دریں سال سی ٭ عجم گرم کردم بدین پارسی

بعض میں عجم گرم کردم کیجگہ عجم زندہ کردم ہے۔ عجم عربی لفظ ہے سال کے نیچے کسرہ پڑھا جائیگا جب صحیح رہیگا ورنہ سالسی کوئی لفظ نہیں اور یہی کسرہ مصرع ثانی میں پڑھا جائیگا تو مصرع ثانی کا قافیہ مہمل ہوگا اور اگر نہ پڑھا جائیگا مصرع اول کا قافیہ مہمل رہیگا۔

کنون عمر نزدیک ہفتاد شد ٭ امیدم بہ یکبارہ برباد شد

عمر عربی لفظ ہے اگر پہلا مصرع تنہا پڑھا جائے تو سامع کو معلوم نہ ہوسکیگا کہ کسکی عمر کو شاعر کہتا ہے

چو دیہیم دارش نہ بد در نژاد ٭ ز دیہیم داران نیاورد یاد۔

یہہ مضمون تاریخ کے خلاف ہے۔ چونکہ فردوسی مؤرخ بھی تھا اس لئے ایسی فاش غلطی کی جرأت نہیں کرسکتا تھا۔ محمود کا نسب نامہ کتابوں میں اسطرح مذکور ہے۔

محمود بن سبکتگین بن قرمحکم بن قرا ارسلان بن قرا ملت بن قرا المغان بن فیروز بن یزدجرد شہنشاہ ایران (تاریخ فرشتہ)۔ سبکتگین اصل میں ایک شہزادہ ایران کا تھا۔ (ہسٹری آف انڈیا۔ جارج ان کننگ) دونوں مصرعوں میں دیہیم دار ہے ایک میں کوئی دوسرا لفظ ہونا چاہئے تھا۔ اساتذہ حتی الامکان اپنے کلام کو اس خفیف عیب سے بھی پاک رکھتے ہیں۔

اگر شاہ را شاہ بودے پدر ٭ بسر برنہادے مرا تاج زر

یہہ بھی تاریخ کے خلاف ہے۔ محمود سبکتگین کا بیٹا تھا اور سبکتگین بادشاہ تھا۔ اہل کمال ہجو اس طرح لکھتے ہیں۔ کہ جس سے صراحت کے ساتھ واقعیت کی نفی نہ ہو۔

دگر مادر شاہ بانو بدے ٭ مرا سیم و زر تا بزانو بدے

یہہ بھی واقعیت کے خلاف ہے محمود کی والدہ زابلستان کے ایک امیر کی بیٹی تھی۔ (واقعات ہند) بانو بیوی کو کہتے ہیں۔ محمود کی ماں سبکتگین کی بیوی تھی۔ لیکن شاعر لونڈی زادہ کہنا چاہتا ہے جیسا کہ اگلے شعر میں کہتا ہے۔

پرستارزادہ نیاید بکار ۔ ✤ اگرچہ بود زادہ شہریار

اس مطلب کیلئے بانو کا لفظ صحیح نہیں۔ شریف و نجیب وغیرہ کوئی لفظ ہونا چاہیے تھا بعض نسخوں میں اگرچہ بود کی جگہ وگر چند ہے۔

چو سلطان دین نبیؐ و علیؓ ۔ ✤ بفر الٰہی و شاہ ولی ✤

یہ شعر مہمل ہے۔

بد اندیش را روئی نیکی مباد ✤ سخنہائے نیکم بہ بد کردیاد ✤

بہ بد کردیاد ایک حرف کا دو بار متصل شعر میں آنا۔ جیسا کہ یہاں (بہ بد) میں ہے معیوب ہے۔ تنافر ہے۔

اس ہجو میں علاوہ اس کے کہ کثرت سے عربی الفاظ ہیں جو فردوسی کی زبان کے خلاف ہیں۔ ایک یہ بھی بات ہے کہ اسمیں ایسے محاورات و الفاظ بھی کثرت سے ہیں جنکا استعمال اس زمانہ میں نہ ہوتا تھا۔ متاخرین نے ان کا استعمال کیا ہے اور ہر شعر میں کچھ نہ کچھ سقم ہے یہ مختصر تالیف اس سے زیادہ تفصیل کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ اور ان سب کے سوا فردوسی کے لئے زیادہ غلطیاں جتانے کی ضرورت نہیں۔ خدائے سخن کی ایک غلطی بھی لاکھوں غلطیوں کے برابر ہے۔

بے اصل کہانی

مؤرخین عرب نے سلطان محمود کی تاریخیں اس طرح لکھی ہیں کہ جن میں جزئیات کا استقصا کیا گیا ہے یہ تاریخیں دنیا میں موجود ہیں ان میں سے کسی نے یہ فردوسی کی کہانی نہیں لکھی۔ عینی ایرانی مؤرخ سلطان کے عہد میں تھا۔ اسنے بھی اسکا ذکر نہیں کیا (الہند و ما لہم من مقالہ مقبولہ او مرذولہ) کا مصنف سلطان کا معاصر اور مخالف ہے۔ نہایت سختی سے سلطان پر نکتہ چینی کرتا ہے۔ اور جا بجا سلطان کو برا بھلا کہتا ہے۔ لیکن یہ کہانی اس کو بھی نہیں ملی اگر یہ امر واقعہ ہوتا تو اس مصنف کیلئے عیب جینی کا اچھا مشغلہ ہو جاتا۔ محمود چوتھی صدی ہجری میں تھا۔ اس زمانہ کے مورخ اس واقعہ سے بیخبر ہیں اوّل یہ روایت چہار مقالہ میں نظر آتی ہے جو

بغیر ماخذ کے لکھی گئی ہو اسلئے قابل اعتبار نہیں۔ چہار مقالہ ڈیڑھ صدی بعد کی تصنیف ہے۔ مؤرخین عصر اور زمانہ قریب کا اس واقعہ کو نہ لکھنا اور ڈیڑھ صدی بعد لکھا جانا خود ظاہر کرتا ہے کہ یہہ من گھڑت ہے۔ صاحب چہار مقالہ غوریوں کا درباری شاعر ہے۔ غور وغزنین کی عداوت مشہور ہے۔ ممکن ہے کہ یہہ روایت غوریوں کے خوش کرنے کے لئے گھڑی گئی ہو۔ یہہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ چہار مقالہ میں یہہ روایت اسکے مصنف ہی نے لکھی ہے ممکن ہے کہ بعد میں کسی نے اضافہ کیا ہو۔ چہار مقالہ ایسی کونسی کتاب تھی۔ جس کو لوگوں نے حرز جان بنائے رکھا ہو۔ اور وہ دست برد زمانہ یا روایت سازوں کی تحریف سے محفوظ رہی ہو۔ جن لوگوں نے اس قدر تحریفات کی ہیں۔ جنکا تذکرہ گذشتہ اوراق میں ہے ان کو چہار مقالہ میں تحریف کرنے سے کون امر مانع تھا۔ اس سے پہلے اور اس زمانہ میں اور اس زمانہ کے بعد کی بہت سی کتابوں میں تحریف ثابت ہے۔ مثل دیوان حافظ۔ کلیات شمس تبریز۔ گلستان وغیرہ۔ وغیرہ۔

چہار مقالہ کی جو روایت فردوسی کے طبرستان جانے کی نقل کی گئی ہے۔ اور اس کی غلطیاں ظاہر کیگئی ہیں وہ خود اس امر کا ثبوت ہیں کہ یہہ روایت گھڑی ہوئی ہے۔ صاحب چہار مقالہ جو سوا سو برس بعد تھا اگر روایت گھڑتا تو بھی ایسی فاش غلطیاں نہ کرتا۔

اصل حقیقت

فردوسی ایک شاعر تھا سنی المذہب۔ سلطان محمود کے درباری شعرا میں سے تھا۔ شاہنامہ اوس کی تصنیف ہے جس میں بہت کچھہ تحریف ہوئی ہے۔ سلطان کے عہد میں قرامطہ کا زور تھا۔ قرامطہ سلطان کے درپئے تھے۔ اور سلطان قرامطہ کے درپئے امراء سلطنت میں ہمیشہ کیطرح پارٹی بندھی تھی۔ فردوسی بھی ایک پارٹی کا ممبر تھا۔ سلطنت و صاحب تاج کے مخالفت کے شبہ میں بڑے بڑے خیرخواہ بھی معتوب ہوجاتے ہیں فردوسی پر مخالف پارٹی نے قرمطی ہونے کا الزام لگایا ہے۔ اسی وجہ سے وہ معتوب ہوا چنانچہ

تذکرہ دولت شاہ میں ہے کہ ایاز نے بادشاہ سے کہا کہ فردوسی قرمطی ہے اسپر بادشاہ نے فردوسی سے کہا کہ تو قرمطی بودہ صاحب آتشکدہ آذر نے بھی لکھا ہے کہ فردوسی کو قرمطی کہا گیا۔ اور یہ الزام اس لئے چسپ گیا کہ دیلمیوں سے سلطان کی سخت مخالفت تھی۔ اور اکثر قرامطہ دیلمیون کے زیر حمایت رہتے تھے۔ فردوسی کو فخر الدولہ دیلمی نے ایک ہزار اشرفیاں بھیجین اور فردوسی نے اس سے خط وکتابت کی۔ علاوہ اس کے قرامطہ کے اکثر بڑے بڑے لیڈر طوس کے رہنے والے تھے۔ یہ واقعات فردوسی کو قرمطی ثابت اور معتوب کرانیکا کافی سبب ہوئے۔ مقربین کے اس شبہ میں معتوب ہونیکی اور بھی نظیرین اوس زمانہ میں ہوئی ہیں۔

حسنک میکال سلطان محمود کا خاص وزیر تھا۔ اس پر بھی یہ الزام لگایا گیا۔ اور خلیفہ بغداد نے سلطان کو لکھا کہ حسنک کا سر کاٹ کر بھیجدو۔ سلطان نے کہا کہ میں نے اس کو بچپن سے پرورش کیا ہے۔ میں اس کے عقاید واعمال سے خوب واقف ہوں یہ اُس پر سراسر اتہام ہے" جب بیچارے کی جان بچی۔ لیکن سلطان کے بعد اس ہی شبہ میں قتل کیا گیا۔ امام اسلام امام فخر الدین رازی رحمتہ اللہ علیہ کو سلطان شہاب الدین غوری ازراہ عقیدت اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ جب سلطان کو قرامطہ نے شہید کیا تو امام صاحب بھی اس شبہ میں ماخوذ ہوئے صرف یہی الزام تھا کہ جسپر فردوسی معتوب ہوا اور شعرا دربار کی سفارش بدر ہا ہو کر سلطان کے بھائی کے پاس سفارش کے لئے گیا۔ اور اس طرح بیان کیا۔

چنین شہریارے و بخشندہٗ ✤ بہ گیتی ز شاہان درخشندہٗ
نکرد اندریں داستانہا نگاہ ✤ ز بدگوئے بدبخت آمد گناہ
حسد برد بدگوئے در کار من ✤ تبہ شد بر شاہ بازار من

اگر مشہور قصہ والا معاملہ ہوتا تو فردوسی کو سلطان کے بھائی کے پاس جانیکی جُرات اور صفائی کی خواہش نہ ہوتی اور اس کے بھائی کے پاس سے زندہ واپس نہ آتا۔ دوسرے شعر کے پہلے مصرع سے ثابت ہوتا ہے کہ سلطان شاہنامہ دیکھنے بھی نہ پایا کہ مخالفین کی دراندازی سے فردوسی سے سلطان مشکوک ہوگیا۔ اور اس کو بھاگنا پڑا۔ اس ہی ہجو میں

ایک شعر ہے۔

مر اندیش را روئے نیکی مباد ✤ سخنہائے نیکم بہ بد کرد یاد ✤

یہہ شعر صاف اس امر کی شہادت ہے کہ انعام کا قصہ نہ تھا۔ بلکہ کسی مخالف نے کچھ بدگوئی کی تھی۔ اور وہ وہی بات ہوگی کہ یہ قرمطی ہے۔

اس کہانی کو صحیح تسلیم کرکے

ہیں آخر میں کوتاہ بین معترضین کی خاطر سے اس مشہور بے اصل کہانی کو تسلیم کرکے اس امر کی جانچ کرتا ہوں کہ سلطان پر خلف وعدہ کا الزام عاید ہوتا ہے یا فردوسی مجرم قرار پاتا ہے۔ سلطان نے فردوسی کو شاہان ایران کی تاریخ لکھنے پر مامور کیا تھا۔ لیکن فردوسی نے جابجا سلطان کے مذہب پر مہذب وغیر مہذب حملے کردئے۔ کوئی انصاف پسند بتلائے کہ اس صورت میں فردوسی مستحق انعام تھا۔ یا قابل عتاب چنانچہ دیباچہ قدیم میں ہے (اما بر سر شاہنامہ شرط ادب را نگاہداشتہ بود۔ سخن در مذہب خود گفتہ

گرت زین بد آید گناہ منست ✤ چنین است این رسم و راہ منست

سلطان را ناخوش آمد و سیاست فرمود۔ پس عنصری و جملہ شاعران زمین بوس کردند و ورا از سیاست خلاص دادند"۔ اور لکھتا ہے۔

اگر خلد خواہی بدیگر سرائے ✤ بنزد نبی و وصی گیر جائے ✤

برین زادم و ہم بریں بگذرم ✤ یقین دان کہ خاک در حیدرم

دلت گر براہ خطا مایل است ✤ ترا دشمن اندر جہان خود دلست

نباشد جز از بے پدر دشمنش ✤ کہ یزدان بآتش بسوزد تنش

آخر شعر کا پہلا مصرع نہایت سخت تبرا ہے۔ مذہب شیعہ کی حدیث (ولا

الزناشر الثلاثہ) کی طرف اشارہ ہے۔ جس کے مقابلہ میں ایک سنی المذہب کو اپنی جان بھی عزیز نہیں ہو سکتی۔

آشوب تورانی کے اس شعر سے جو وہ فردوسی کو مخاطب کر کے کہتا ہے۔

بہر مذہب و پیشہ جنگ و جدل ٭ ز بحثت فگندن بہر دین خلل

معلوم ہوتا ہے کہ فردوسی مذہبی چھیڑ چھاڑ کا عادی تھا۔ پس اس صورت میں کون انصاف پسند ہے کہ ایسے شخص کو مستحق انعام قرار دیگا۔ بلکہ سلطان کے اس کو زندہ چھوڑ دینے ہی کو بڑی قدردانی قرار دیگا۔

گذارش

اس فقیر نے سلطان محمود اور فردوسی کے معاملہ کے متعلق جسقدر تحقیقات کی جا سکا خلاصہ ہدیہ ناظرین ہے امید کہ ارباب فہم غور فرما کر انصاف فرمائینگے۔ مجھے اتہام و الزام لگانیوالوں کیطرح ضد نہیں ہے اگر کوئی صاحب اس تحقیقات کو معقولیت کے ساتھ غلط ثابت کردیں گے تو مجھکو اپنے خیال سے رجوع کرنے میں دریغ نہ ہوگا محض ضد و نفسانیت سے ایک مقدر ہستی کو بدنام کرنا اور ایک متمدن قوم کی دل آزاری کرنا شرافت و انسانیت سے بعید ہے ماہران سیر کی خدمت میں التماس ہے کہ اس خاص مسئلہ پر جس کی فی زمانہ شدید ضرورت تھی فقیر نے بہت کچھ مواد اس مختصر تالیف میں جمع کر دیا ہے۔ اس فقیر کو اپنی کم مایہ گی کا خود اعتراف ہے بجائے اس کے کہ میری گرفت کے درپے ہوں خذ ما صفا دع ما کدر کو پیش نظر رکھ کر اور اس رسالہ کو سنگ بنیاد قرار دیکر کوئی مستحکم عمارت بنا کر دیں تو فن تاریخ اور قوم کی ایک اہم خدمت ہوگی۔

صلائے عام ہے یاران نکتہ دان کے لئے

دعا

اللهم اہدنا فی من ہدیت وعافنا فی من عافیت وبارک لنا فیما اعطیت وتولنا فی من تولیت

وقنا شر ما قضیت فانک تقضی ولا یقضی علیک وانہ لا یذل من والیت ولا یعز من عادیت

تبارکت ربنا وتعالیت نستغفرک ونتوب الیک وصلی اللہ علی النبی وسلم

شد ختم بر حدیث تو آخر بیان ما

باشد نگیں نام تو مہر دہان ما